سماجی آداب سے متعلق احادیث قدسیہ اور انکی عصری معنویت

تحقیقی مقالہ برائے **ایم فل علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

کامران یوسف خلجی

ایم فل سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: 4-Mphil/IS/S20

www.KitaboSunnat.com

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

مارچ 2023

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

سماجی آداب سے متعلق احادیث قدسیہ اور انکی عصری معنویت

تحقیقی مقالہ برائے **ایم فل علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

کامران یوسف خلجی

ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: 4-Mphil/IS/S20

نگران مقالہ

ڈاکٹر مستفیض احمد علوی

ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ، اسلامی فکر و ثقافت

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن 2020–2022

© (کامران یوسف خلجی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے۔ وہ مجموعی طور پر کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائینسز سے اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **سماجی آداب سے متعلق احادیث قدسیہ اور انکی عصری معنویت**

Samaji Aadab Se Mutalliq Ahadees-e-Qudsia Aor Inki Asri Maanwiat

Ahadees-e-Qudsiyah Relevant to Social Ethics And Their Current Meaning

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: کامران یوسف خلجی

رجسٹریشن نمبر: 4-Mphil/IS/S20

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی
(نگران مقالہ)
____
دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی
(صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت)
____
دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)
____
دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

برگیڈیئر سید نادر علی
(ڈی جی نمل)
____
دستخط ڈی جی نمل

تاریخ ________________

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں **کامران یوسف خلجی** ولد **ڈاکٹر محمد یوسف خلجی**

رولنمبر: MP-IS-S20-559 رجسٹریشن نمبر: 4-Mphil/IS/S20

طالب، ایم فل علوم اسلامیہ، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **سماجی آداب سے متعلق احادیث قدسیہ اور انکی عصری معنویت**

Samaji Aadab Se Mutalliq Ahadees-e-Qudsia Aor Inki Asri Maanwiat

Ahadees-e-Qudsiyah Relevant to Social Ethics And Their Current Meaning

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو سمجھتا ہوں کہ ایچ ای سی اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد علمی سرقہ کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ اس لیے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو لیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: **کامران یوسف خلجی**

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ABSTRACT)

Title: Ahadees-e-Qudsiyah Relevant to Social Ethics And Their Current Meaning

Ahadees-e-Qudsiyah are those Ahadith which are narrated by Prophet Muhammad ﷺ and attributed to Allah (SWT). These are unique ahadees due to their attribution towards Allah (SWT) narrated words from The Holy Prophet ﷺ. Quran-e-Hakeem is more superior than hadees-e-Qudsi because words of Quran is also from Allah SWT. The gradation of Ahadees-e-Qudsiyah is higher from the Traditions narrated by Companions (Sahabah) of the Prophet or by their Followers (Taba'een). Although Ahadees-e-Qudsiyah have a higher rank but it can neither be written in Quran nor recited in Salat. It has unique placing in ahadees. It has spiritual, electrifying and charming effects on the hearts of reader and listener. It increases the level of Iman (Faith) of the reader. Maximum number of Ahadees-e-Qudsiyah collected is 1268 by Khalil-ur-Rahman Burhan Puri in his book named "Ahadees-e-Qudsiya". There are various topics which have been mentioned in Ahadees-e-Qudsiyah like morality, patience, fulfilment of promise, love and brotherhood, including prohibition of oppression, cruelty and disrespect to others. Social etiquette is one of the most aspect of their content, but somehow got least interest of researchers. The following research focusses the authenticity of Ahadith Qudsiah on one side, and the social aspect of these texts on the other, with reference to the contemporary society.

Key Words: Qudsi, Ahadees-e-Qudsiyah, Hadees-e-Qudsi, Hadees Ullah, Statement of Allah, Sacred Hadees, Divine Narrations, Ethics, Social Ethics, Social Values, Moral Values.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرستِ موضوعات

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
1	مقالہ کی منظوری کا فارم(Thesis Acceptance Form)	I
2	حلف نامہ فارم(Candidate Declaration Form)	II
3	ملخص مقالہ(Abstract)	III
4	فہرست عنوانات(Table of Content)	IV-V
5	اظہارِ تشکّر(Expression of Thanks)	VI
6	انتساب(Dedication Form)	VII
7	مقدمہ(Introduction)	1
8	**باب اول: احادیث قدسیہ کا تعارف اور استناد**	11
9	فصل اول: احادیث قدسیہ کا تعارفی مطالعہ	12
	تجزیہ و تلخیص	29
10	فصل دوم: احادیث قدسیہ کی استنادی حیثیت	30
11	تجزیہ و تلخیص	42
12	**باب دوم: احادیث قدسیہ سے ماخوذ سماجی آداب**	44
13	فصل اول: سماجی آداب سے متعلق مستند احادیث قدسیہ	45
	تجزیہ و تلخیص	68
14	فصل دوم: احادیث قدسیہ سے ماخوذ سماجی آداب کا توضیحی مطالعہ	71

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

15	تجزیہ و تلخیص	109
16	**باب سوم: سماجی آداب سے متعلق احادیث قدسیہ کی عصری معنویت**	111
	فصل اول: عصری معاشرت میں سماجی آداب کی حیثیت	112
	تجزیہ و تلخیص	125
	فصل دوم: احادیث قدسیہ میں مذکور سماجی آداب کی عصری معنویت	127
	تجزیہ و تلخیص	139
17	خلاصہ بحث	141
18	نتائجِ مقالہ	144
19	سفارشات	145
20	فہرستِ آیات	146
21	فہرستِ احادیث	149
22	مصادر و مراجع	151

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اظہارِ تشکر (Expression of Thanks)

اللہ رب العزت کا خصوصی فضل ہے کہ اس نے بندہ عاجز کو اس موضوع پر مقالہ قلم بند کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ بعد ازاں اپنے والدین کا انتہائی احسان مند ہوں جن کی دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ سخت دھوپ میں سایہ کی مانند رہیں۔ میں بالخصوص اپنے مربی و محسن استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی صاحب کا ممنون ہوں جنھوں نے اس کام کو احسن طریقہ سے مکمل کرنے کے لئے بہترین انداز میں رہنمائی فرمائی۔ ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ جناب ڈاکٹر نور حیات صاحب اور کوارڈینیٹر جناب ڈاکٹر مظفر صاحب کا اور ان کے ساتھ اپنے تمام قابل قدر اساتذہ کرام کا شکر گزار ہوں جن کی بدولت اس راستہ کی مشکلات سہل ہو گئیں۔ یہ سب ان ہی قابل قدر حضرات کی رہنمائی تھی جس کی بدولت مقالہ نگار اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر بروئے کار لا سکا۔ خصوصاً ڈاکٹر عبد الغفار شاہ بخاری صاحب کا جن کی شاگردی کی بدولت مقالہ نگار کے شوق میں مزید اضافہ ہوا اور انہوں نے بروقت رہنمائی کی۔ اس کے علاوہ تمام لائبریریوں کے عملہ اور نمل کے منتظمین کا جنہوں نے ہر طرح کی سہولیات مہیا کیں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ تمام معلمین و معاونین کو دنیا و آخرت میں بہترین جزاء عطا فرمائے۔ آمین۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتساب (Dedication)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خصوصی نصرت و تائید سے الحمد للہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ مقالہ نگار اس تحقیق کو اپنے والدین کے نام منسوب کرتا ہے جنہوں نے زندگی کی ہر گھڑی میں رہنمائی فراہم کی اور سوتے جاگتے ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھا اور مکرم و معظم والدین کے طفیل ہی یہ بارِ ثقیل کامیابی و کامرانی کیساتھ اپنے اختتام کو پہنچا۔ الحمد للہ علی اتمام ھذا البحث۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

موضوعِ تحقیق کا تعارف/Introduction of The Topic

حدیث مبارکہ نبی اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کے قول و عمل کا مبارک بیان ہوتی ہے۔ تمام احادیث میں سب سے مقدم احادیثِ قدسیہ ہیں کیونکہ انکی نسبت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ ﷺ کے اقوال مبارکہ کی اعلیٰ وارفع قسم میں وہ احادیث شامل ہیں جن کے معانی و مفہوم، اللہ تعالیٰ کے ہوں اور نبی اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ اس قسم کی احادیث کو "احادیث قدسیہ" یا "احادیث الٰہیہ" یا "احادیث ربانیہ" کہا جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں دو نور جمع ہو جاتے ہیں: ایک نورِ الٰہی اور دوسرا نورِ نبوی ﷺ ہے۔ چونکہ یہ احادیث ایک حیثیت سے اللہ ہی کا کلام ہیں، اس لیے ان میں عمل و کردار سازی کے حوالے سے ترغیب و تشویق کی تاثیر زیادہ ہے۔

احادیث قدسیہ میں ذات باری تعالیٰ کی ذات و صفات کیساتھ ساتھ اس کے بندوں کے ساتھ تعلق کا بیان بھی ہوتا ہے۔ احادیثِ قدسیہ اور احادیثِ رسول ﷺ دراصل انسان کو زندگی کے سماجی آداب سے بھی روشناس کرتی ہیں، جن کے اپنانے سے انسانی معاشرے کی معاشرتی کمزوریاں دور ہو سکتی ہیں اور انہیں دنیا و آخرت کی حقیقی فوزوفلاح نصیب ہو سکتی ہے۔

اللہ رب العزت نے نوع انسانی تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے انبیاء علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے پیغام الٰہی کو لوگوں تک پہنچایا۔ مزید یہ کہ انبیاء علیہ سلام نے کتب سماویہ کی وضاحت بھی فرمائی۔ ان کتب سماویہ میں سب سے آخری کتاب قرآن حکیم ہے جو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ ان انبیاء علیہ سلام میں سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی رسالت، قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے ہے اور آپ ﷺ نے خلق خدا تک جو اللہ کا پیغام پہنچایا وہ احادیث قدسیہ اور احادیثِ رسول ﷺ میں موجود ہے۔ مزید یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کی توضیح و تشریح بھی فرمائی اور یہ تشریح احادیثِ رسول میں زیادہ ہے اور اس توضیح کا کچھ حصہ احادیث قدسیہ میں بھی موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موضوع کی ضرورت واہمیت / Significance of the Study

انسانی معاشرے کی دگرگوں صورتحال کے نتیجہ میں یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ انسان تہذیبی اور سماجی آداب سے دن بدن بے بہرہ ہوتا جارہا ہے۔ دور جدید کی ثقافتی اور تہذیبی زندگی ایک طرف انبیاء کے تعلیم کردہ صراط مستقیم سے دور ہے اور دوسری جانب اسے ایک اسوۃ حسنہ کی اشد ضرورت ہے جس کے مطابق وہ اپنی زندگی کے سماجی پہلو کو ڈھال کر معاشرتی ہم آہنگی کے ساتھ سماجی سکون واطمینان بھی پاسکے۔ ایسی صورتحال میں نبی آخر الزمان کا اسوہ حسنہ ہی انسان کو سماجی مسائل میں روشن راستوں کی طرف راہنمائی کر سکتا ہے۔ یہ وہ بنیادی ضرورت ہے جس کے پیش نظر زیر نظر موضوع مطالعہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ لہٰذا، احادیث قدسیہ میں سماجی آداب اور انکی عصری معنویت پر تحقیق، اس مقالے میں مکمل کی جائے گی۔

احادیث قدسیہ میں اللہ کے قول کیساتھ ساتھ قول رسول ﷺ بھی موجود ہے۔ قاری وسامع کے لئے یہ بات باعث تحسین ہے کہ احادیث قدسیہ کو پڑھ کر یا سن کر اسے ایک ہی وقت میں اسکی اللہ اور رسول ﷺ سے روحانی نسبت و تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی سنورنے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں یہ معلوم ہو کہ احادیث قدسیہ کی کل تعداد کتنی ہے اور ان میں سے معتبر روایات کون سی ہیں۔

وجہ انتخاب (Reason of selection)

اس موضوع کا انتخاب کرنے کی وجہ بنیادی طور پر یہ ہے کہ احادیث قدسیہ میں جو سماجی آداب مضمر ہیں ان کو ظاہر کیا جائے اور سماجی آداب سے متعلق احادیث قدسیہ کی عصری معنویت کے لحاظ سے دیکھا جائے تاکہ معاشرے کی اصلاح ہو اور معاشرہ صحیح طور پر اسلامی اقدار پر پروان چڑھے اور انسان مجموعی طور پر فلاح و کامرانی کے راستے پر گامزن ہو سکے۔ تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ احادیث قدسیہ پر عمل کرنے کے لیے یہ جانا جائے کہ احادیث قدسیہ کی اہمیت، تعداد، سندی حیثیت کیا ہے تاکہ عمل کرنے والا اس یقین سے بھی مالا مال ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے اس کے رسول معظم کا پیغام مبارک ہے جس پر عمل کرنے سے فوز و فلاح کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ / Literature Review

اس موضوع سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس موضوع پر خاص اس طرز کا کوئی کام نہیں ہوا جس میں سماجی آداب سے متعلق آحادیث کو جمع کیا گیا ہو اور جدید معاشرے پر ان کا انطباق کیا گیا ہو لیکن جو تحقیقی کام ہوا ہے ان میں کچھ مقالہ جات، کتب اور آرٹیکلز لکھے گئے ہیں جن میں چند عنوانات کے تحت مختلف پہلوؤں پر کام ہوا ہے جو درجہ ذیل ہیں۔

مقالہ جات:

1) الاحادیث القدسیۃ دراسۃ بلاغیۃ، (ماجستیر) مقالہ نگار: مروہ ابراہیم شعبان، نگران تحقیق: دکتور نعمان شعبان، کلیۃ الادب، قسم اللغۃ العربیۃ، الجامعہ اسلامیہ غزۃ، 2008ء۔

تبصرہ: زیر نظر مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب قرآن حکیم پر مشتمل ہے۔ دوسرا باب حدیث قدسی پر مشتمل ہے۔ تیسرا باب حدیث نبوی پر مشتمل ہے۔ چوتھا باب فصاحتِ نبی اکرم ﷺ پر مشتمل ہے۔ پانچواں باب بلاغتِ نبی اکرم ﷺ پر مشتمل ہے۔ باحثہ نے اس مقالہ میں یہ بیان کیا ہے کہ عربی زبان میں بلاغت کی کیا اہمیت ہے۔ بلاغت کے کون کون سے اسلوب ہوتے ہیں۔ احادیث قدسیہ میں بلاغت کے کون کون سے اسالیب بیان ہوئے ہیں اور ان اسالیب کو احادیث قدسیہ میں کس طرح بیان کیا گیا ہے۔ بلاغت کے ان اسالیب کو اختیار کرنے سے مختصر الفاظ میں بڑی آسانی سے طویل بات بیان ہو جاتی ہے۔

2) الآداب الاجتماعیۃ کما تصورھا سورۃ النور، (ماجستیر) مقالہ نگار: حسن احمد اَلیک، نگران تحقیق: دکتور احمد غلوس، کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ، قسم الدراسات العلیا، جامعہ اُمّ القریٰ، سعودیہ، 1987ء۔

تبصرہ: زیر نظر مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب اجازت طلب کرنے کے آداب پر مشتمل ہے۔ دوسرا باب عفت و عصمت کی حفاظت کے اخلاقی قوانین پر مشتمل ہے۔ تیسرا باب دوستوں اور رشتہ داروں کیساتھ کھانا کھانے کے آداب پر مشتمل ہے۔ چوتھا باب رسول ﷺ اور اُمہات المؤمنین کیساتھ معاملات سرانجام دینے پر مشتمل ہے۔ باحث نے اس مقالہ میں گھر کے اندر محرم رشتہ داروں سے اجازت طلب کرنے کے آداب اور گھر سے باہر یعنی کسی غیر محرم یا اجنبی کے گھر میں داخل ہونے کے آداب پر بھی گفتگو کی ہے۔ نظروں کی حفاظت کے آداب، عفت و عصمت کی حفاظت و اہمیت اور ستر کی حفاظت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ زینت کے اظہار کی حرمت کو بھی مع استثناء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ حجاب کی ضرورت و اہمیت پر بھی کلام کیا گیا ہے۔ عفت و عصمت کی حفاظت کیلئے نکاح کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ خلوت میں ملاقات کی ممانعت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح کھانے کے آداب پر بھی شرح و بسط کیساتھ کلام کیا گیا ہے۔ آخر میں نبی اکرم ﷺ اور اُمّہات المؤمنین کیساتھ معاملات سرانجام دینے پر بھی کلام کیا گیا ہے۔

3) Unraveling the Mystery of the Hidden Treasure: The Origin and Development of a Hadith Qudsi and its Application in Sufi Doctrine, Thesis
Writer: Moeen Afnani, University of California, 2011

تبصرہ: زیر نظر مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حدیث کے ارتقاء اور تنقید پر گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں ایک موضوع حدیث کنت کنزا مخفیا پر گفتگو کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں اللہ سبحانہ و تعالٰی کے اکیلے ہونے پر گفتگو کی گئی ہے۔ چوتھے باب میں اللہ سبحانہ و تعالٰی کے ایک ہونے پر گفتگو کی گئی ہے۔ پانچویں باب میں تصورِ محبت پر گفتگو کی گئی ہے۔ چھٹے باب میں تصور تخلیق پر گفتگو کی گئی ہے۔ ساتویں باب میں علم و معرفت کے صحیح فہم پر گفتگو کی گئی ہے۔ باحث نے اس مقالہ میں کائنات کے آغاز و اختتام پر اللہ سبحانہ و تعالٰی کے اکیلے ہونے پر گفتگو کی ہے۔ زیر نظر مقالہ میں حدیث کے ارتقاء پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور پھر ایک موضوع حدیث کنت کنزا مخفیا کے حوالے سے ابن عربیؒ کے موقف پر گفتگو کی گئی ہے۔

آرٹیکلز:

1) احادیث قدسیہ پر مستشرق ولیم البرٹ گراہم کے اعتراضات، جائزہ اور رد (ریسرچ آرٹیکل) ڈاکٹر سید غضنفر احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ قرآن و سنۃ، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی و عثمان صفدر، ریسرچ اسکالر، شعبہ قرآن وسنۃ، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، 2015ء۔

تبصرہ: اس ریسرچ آرٹیکل میں محققین نے ولیم البرٹ گراہم کے احادیث قدسیہ پر جو اعتراضات بیان کئے ہیں۔ اعتراضات کا تحقیقی جائزہ بھی لیا گیا ہے اور پھر ان اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

2) الاحادیث القدسیہ فی الجرح والتعدیل و مصادرھا و ادوار تدوینھا (ریسرچ آرٹیکل) دکتور عبد الغفور، الباحث بمرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ بالجامعۃ الاسلامیۃ، سعودیہ عرب، 2019ء۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تبصرہ: اس آرٹیکل میں علمائے حدیث کے نزدیک حدیث کی مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔ حدیث قدسی کی مثال بھی بیان کی گئی ہے۔ اقسام وحی کے ذیل میں وحی غیر متلو بیان کر کے احادیث قدسیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ قرآن اور حدیث قدسی میں فرق بھی کیا گیا ہے۔ جرح و تعدیل کے نقطہ نظر سے بعض ضعیف احادیث قدسیہ کے رواۃ پر جرح بھی کی گئی ہے۔

3) A Study of Concept And Ranking of Hadith Qudsi According To Scholars In Hadees, Prof. Madya, Dr Mohd Fauzi Mohd Amin, Dr. Abdulloh Salaeh, Dr. Amran bin Abdul Halim, Dr. Ahmad Sanusi Azmi, University Sains Islam Malaysia, 2017.

تبصرہ: اس آرٹیکل میں محققین نے حدیث کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ حدیث نبوی اور حدیث قدسی میں فرق بیان کیا ہے۔ قرآن اور حدیث قدسی کے درمیان فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ حدیث قدسی کیلئے مترادف اصطلاحات کو بیان کیا ہے۔ حدیث قدسی کن اسالیب سے کتب احادیث میں بیان کی گئی ہیں اس کو بھی تحریر کیا ہے۔ محققین نے بطور امثلہ چند احادیث قدسیہ بھی بیان کی ہیں اور احادیث قدسیہ کے مجموعہ جات کو بھی تحریر کیا ہے۔

کتب:

۱) مشکوٰۃ الأنوار فیما روی عن اللہ سبحانہ من الاخبار:

اس کتاب کے مؤلف شیخ محی الدین بن العربی (المتوفیٰ:638ھ) ہیں۔ اس کتاب میں 101 حدیث قدسی موجود ہیں۔ یہ کتاب 1927ء میں حلب سے شائع ہوئی ہے۔

۲) المقاصد السنیہ فی الأحادیث الالہیہ:

اس کتاب کے مؤلف ابی القاسم علی بن بلبان المقدسی (المتوفی:684ھ) ہیں، یہ کتاب 1408ھ میں مکتبہ دار التراث مدینہ منورہ اور دار ابن کثیر بیروت سے چھپی ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے 100 حدیث قدسی جمع کی ہیں۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب میں مؤلف نے مناقب صحابہؓ اور حلیۂ رسولؐ کے متعلق بھی احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔

۳) جمع الجوامع:

اس کتاب میں 133 حدیث قدسی موجود ہیں۔ اس کتاب کے مؤلف امام جلال الدین سیوطی (المتوفیٰ:۹۱۱ھ) ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴) الجامع الصغیر:

اس کتاب کے مؤلف امام جلال الدین سیوطی (المتوفیٰ:۹۱۱ھ) ہیں۔علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس کتاب میں 66 حدیث قدسی جمع فرمائی ہیں۔

۵) الأحادیث القدسیہ الاربعینۃ:

ملا علی قاریؒ (المتوفیٰ:1014ھ) نے اس رسالہ میں 40 حدیث قدسی جمع کی ہیں،1014ھ میں دار البشائر الاسلامیہ بیروت نے، اس رسالہ کو نذیر محمد مکتبی کی شرح "الروضۃ البہیۃ" کیساتھ چھاپا ہے۔

٦) الاتحافات السنیہ بالأحادیث القدسیہ:

اس کتاب کے مؤلف علامہ محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین المناوی (المتوفیٰ:1031ھ) ہیں۔اس کتاب میں 272 حدیث قدسی موجود ہیں۔اس کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب سے احادیث کو یکجا کیا گیا ہے اور کتاب ھذا میں صحیح اور ضعیف دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں۔ مکتبۃ التراث الاسلامی نے اس کتاب کو شیخ محمد منیر دمشقی کی شرح "النفحات السلفیۃ" کیساتھ چھاپا ہے۔اس نسخہ کی تحقیق عبدالقادرالاناؤوط اور طالب عواد صاحب نے کی ہے۔

۷) الاتحافات السنیہ فی الأحادیث القدسیہ:

اس کتاب کے مؤلف محمد محمود طربزونی المدنی الفقیہ الحنفی (المتوفی1200ھ) ہیں۔اس کتاب میں 864 حدیث قدسی موجود ہیں۔مؤلف نے احادیث قدسیہ کو تین ابواب میں منقسم کیا ہے: ۱) لفظ "قال" سے شروع ہونے والی احادیث۔ ۲) لفظ "یقول" سے شروع ہونے والی احادیث۔ ۳:-وہ احادیث جن کے درمیان میں اللہ کا کلام وارد ہوا ہے۔اس کتاب مستند روایات بھی ہیں اور تنبیہ کیساتھ ضعیف و موضوع روایات بھی موجود ہیں۔

۸) الصحیح المسند من الأحادیث القدسیہ:

اس کتاب کے مؤلف مصطفی بن العدویؒ ہیں۔اس کتاب میں 185 حدیث قدسی موجود ہیں۔یہ کتاب 1989ء میں دار الصحابہؓ للتراث قاہرہ، مصر سے شائع ہوئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۹) الاحادیث القدسیہ:

اس کتاب کے مؤلف عصام الدین الصبابطیؒ ہیں۔ اس کتاب میں 1150 حدیث قدسی موجود ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب میں مستند اور غیر مستند تمام روایات کو جمع کیا ہے اور حدیث کی صحت پر حکم بھی بیان کیا ہے۔ مؤلف نے اپنی کتاب میں تبویب بھی فرمائی ہے۔ یہ کتاب 1991ء میں دار الریان للتراث قاہرہ، مصر سے شائع ہوئی ہے۔

۱۰) الاحادیث القدسیہ:

جمال محمد علي الشقیری نے "المجلس الأعلى للشؤون الإسلامية (لجنة السنة، مصر)" کے ذریعہ اس کتاب کو مرتب کیا۔ اس کتاب میں 400 حدیث قدسی موجود ہیں۔ اس کتاب میں جو احادیث قدسیہ موجود ہیں وہ صحاح ستہ اور موطا امام مالک سے لی گئی ہے۔ اس کتاب میں موجود احادیث کی شرح مختلف عربی شروحاتِ حدیث سے بیان کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ایک حدیث کے مختلف طرق کو بھی الگ حدیث شمار کیا گیا ہے۔ یہ کتاب 1997ء میں "المجلس الاعلی للشؤون الاسلامیہ" قاہرہ، مصر سے شائع ہوئی ہے۔

۱۱) الأحادیث القدسیہ (مع شرحھا وما صح من احادیث الملائکۃ الکرام والجان):

اس کتاب کے مؤلف عبد القادر عرفان العشا حسونہ ہیں۔ اس کتاب میں 446 حدیث قدسی موجود ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب میں صرف مستند روایات کو جمع کیا ہے اور حدیث کی شرح بھی بیان کی ہے۔ مؤلف نے اپنی کتاب میں تبویب بھی فرمائی ہے۔ یہ کتاب 2002ء میں دار الفکر، بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

۱۲) تجلیات قدسیہ:

اس کتاب کے مؤلف مفتی محمد ثمین اشرف قاسمیؒ ہیں۔ یہ کتاب 2016ء میں چھپی ہے۔ اس کتاب میں 1150 حدیث قدسی موجود ہیں۔ یہ کتاب دراصل مندرجہ بالا کتاب جامع الأحادیث القدسیۃ، از عصام الدین الصبابطیؒ کا ترجمہ اور شرح ہے۔ مؤلف نے اپنی کتاب میں تبویب بھی فرمائی ہے۔ احادیث کی شرح پر سیر حاصل گفتگو بھی کی ہے اور حدیث کی صحت پر کوئی حکم بھی بیان کیا ہے۔

۱۳) من صحاح الاحادیث القدسیہ:

اس کتاب میں 100 حدیث قدسی موجود ہیں۔ اس کتاب کے مؤلف شیخ محمد عوامہؒ ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب میں اپنی سخت شرائط کیساتھ 100 حدیث قدسی کو شامل کیا ہے اور ان میں سے اکثر صحیحین کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایات ہیں۔ شیخ محمد عوامہ ؒ نے تخریج اور شرح کے ساتھ ساتھ غریب الحدیث پر بھی سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ یہ کتاب 2019ء میں دار المنہاج للنشر والتوزیع جدہ، سعودیہ عرب سے شائع ہوئی ہے۔

۱۴) احادیث قدسیہ:

اس کتاب کے مؤلف محمد خلیل الرحمٰن برہان پوریؒ ہیں۔ اس کتاب میں 1268 حدیث قدسی موجود ہیں۔ مؤلف نے اس کتاب میں مستند اور غیر مستند تمام روایات کو جمع کیا ہے، لیکن آپ نے حدیث کی صحت پر کوئی حکم بیان نہیں کیا ہے۔ مؤلف نے اپنی کتاب میں کسی قسم کی کوئی فہرست اور تبویب نہیں فرمائی ہے۔

۱۵) AL-AHAIDTH AL-QUDSIYYAH

اس کتاب کے مؤلف ڈاکٹر عبد الخالق قاضی اور ڈاکٹر علان بی ڈے ہیں۔ اس کتاب میں 225 حدیث قدسی موجود ہیں ۔ اس کتاب کو دار الکتاب العربی نے امریکہ سے چھاپا ہے۔

۱۶) احیاء علوم الدین:

اس کتاب کے مؤلف امام غزالیؒ ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں پر موجود ہے۔ اس کتاب میں اخلاقیات، سماجی آداب اور روحانیت سے متعلق علمی، عملی، فکری اور روح پرور گفتگو کی گئی ہے۔

۱۷) مسنون معاشرت:

اس کتاب کے مؤلف مفتی ابو بکر جابر قاسمی صاحب ہیں۔ یہ کتاب دو جلدوں پر موجود ہے۔ ابتدا میں مؤلف صاحب نے اسلامی معاشرت کے بنیادی اصولوں پر گفتگو فرمائی ہے۔ مابعدہ آپ نے مختلف سماجی آداب و اخلاقی رذائل پر گفتگو فرمائی ہے جیسے اخلاق حسنہ، بدگمانی سے اجتناب، ستر پوشی، غیبت سے اجتناب، صبر اور شکر کا اہتمام، غصہ سے اجتناب، تواضع کا اہتمام، تعزیت کے آداب وغیرہ۔

۱۸) اسلامی آداب معاشرت:

اس کتاب کے مؤلف حافظ صلاح الدین یوسف صاحب ہیں۔ یہ کتاب ایک جلد اور 258 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں مؤلف صاحب نے اسلامی آداب پر اجمالاً گفتگو فرمائی ہے۔ اسکے بعد آپ نے چند معاشرتی آداب جیسے کہ اخلاق حسنہ، آداب گفتگو، آداب طعام و قیام پر گفتگو فرمائی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سابقہ تحقیق میں موجود خلا / Research Gap

سابقہ تحقیق میں احادیث قدسیہ پر ولیم البرٹ گراہم (مستشرق) کے اعتراضات کا جائزہ اور رد پیش کیا گیا ہے ۔احادیث قدسیہ میں سماجی آداب اور جدید معاشرے پر انکے اطباق کے حوالے سے سابقہ تحقیق میں خلا موجود ہے اور زیر نظر تحقیق میں اس خلا کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی،ان شاءاللہ۔

تحدید اور دائرہ کار موضوع / Delimitations of the Study

مقالہ ہذا میں ان مستند احادیث قدسیہ پر کلام کیا جائیگا جن میں سماجی آداب کا تذکرہ موجود ہے پھر ان احادیث قدسیہ کی عصری معنویت کو بیان کیا گیا ہے۔وہ احادیث قدسیہ جن میں سماجی آداب کے علاوہ مضامین ہیں،ایسی احادیث کو اس تحقیق میں زیر بحث نہیں لایا گیا۔

بیانِ مسئلہ / Statement of the Problem

احادیث قدسیہ کی تعداد ، مستند ،ضعیف اور موضوع روایات کے بارے میں عوام الناس میں آگاہی نہیں ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بات کی تحقیق کی جائے کہ احادیث قدسیہ کتنی تعداد میں موجود ہیں اور ان میں سے مستند روایات کتنی ہیں، ضعیف کتنی ہیں اور موضوع کتنی ہیں۔مزید یہ کہ دین اسلام کی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ عوام الناس کو سماجی آداب سے روشناس کروایا جائے تاکہ مسلم معاشرہ سماجی آداب سے مزین ہو سکے۔ زیر نظر مقالہ میں احادیث قدسیہ کی تعداد ، مستند ، ضعیف ،موضوع روایات اور ان میں مذکور سماجی آداب کا توضیحی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مقاصدِ تحقیق / Objectives of the Study

- احادیث قدسیہ کی ضرورت واہمیت کے ساتھ ان کی استنادی حیثیت معلوم کرنا۔
- احادیث قدسیہ میں مذکور سماجی آداب کو بذریعہ تحقیق اجاگر کرنا۔
- موجودہ دور میں احادیث قدسیہ میں مذکور سماجی آداب کی عصری معنویت کا تجزیہ کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تحقیقی سوالات / Research Questions

احادیث قدسیہ کی کُل تعداد اور ان کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

احادیث قدسیہ سے کون کون سے سماجی آداب، کس طرح سے اخذ کئے جاسکتے ہیں؟

احادیث قدسیہ سے ماخوذ سماجی آداب کی عصری معنویت کیا ہے نیز اس کے اثرات کس نوعیت کے ہوسکتے ہیں؟

منہج تحقیق/Research Method

- اسلوبِ تحقیق بیانیہ اور تجزیاتی اختیار کیا گیاہے۔
- موضوع سے متعلقہ بنیادی مصادر (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی وغیرہ)وثانوی کتب(، تجلیات قدسیہ،الصحیح المسند من الأحادیث القدسیۃ وغیرہ)،رسائل وجرائد(محاسن اسلام،ندائے خلافت وغیرہ)سے استفادہ کرتے ہوئے مواد اخذ کیا گیاہے۔
- عصری تحقیقات(احادیث قدسیہ للخلیل برہان،جامع الاحادیث القدسیہ للصبابطی)سے استفادہ کیا گیاہے۔
- ای لائبریریوں(اسلامک ای بکس، محدث لائبریری)اور تحقیق کے جدید سافٹ وئیر المکتبۃالشاملہ سے استفادہ کیا گیاہے۔
- مقالہ کی ترتیب وتسویب کے لئے یونیورسٹی فارمیٹ کو مدنظر رکھا گیاہے۔

ابواب بندی/Chapterization of Research Theme

اس مقالہ بعنوان سماجی آداب سے متعلق احادیث قدسیہ اور انکی عصری معنویت میں تین ابواب کو شامل کیا گیاہے۔

پہلے باب میں احادیث قدسیہ کا تعارف واستنادی حیثیت کو بیان کیا گیاہے۔

دوسرے باب میں سماجی آداب سے متعلق احادیث قدسیہ کی مستند روایات اور انکاتوضیحی مطالعہ پیش کیا گیاہے۔

تیسرے باب میں عصری معاشرت میں سماجی آداب کی حیثیت اور انکی عصری معنویت پر گفتگو کی گئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب اول
احادیث قدسیہ کا تعارف اور استناد

فصل اول: احادیث قدسیہ کا تعارفی مطالعہ

فصل دوم: احادیث قدسیہ کی استنادی حیثیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل اول:

احادیث قدسیہ کا تعارفی مطالعہ

احادیث قدسیہ سے مراد وہ احادیث ہیں جس میں حدیث کے الفاظ بھی اللہ سبحانہ وتعالٰی کے ہوتے ہیں اور بیان کردہ بات بھی اللہ سبحانہ وتعالٰی کی ہوتی ہے۔ احادیث قدسیہ کو احادیث قدسیہ اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ان احادیث کی نسبت اللہ سبحانہ وتعالٰی کی مقدس ذات کی طرف ہوتی ہے لہذا اللہ کی طرف نسبت ہونے کیوجہ سے ان احادیث میں ایک خاص قسم کا تقدس پیدا ہو جاتا ہے اور اسی خاص تقدس اور مقدس ذات کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے انہیں احادیث قدسیہ کہا جاتا ہے۔

علوم حدیث کی کتب میں حدیث قدسی کیلئے مزید اصطلاحات بھی استعمال ہوئی ہیں جیسے کہ الحديث الإلهي، الأحاديث الإلهية، الحديث الرباني۔ یہ تینوں اصطلاحات دراصل حدیث قدسی کے مترادفات ہی ہیں۔ متقدم محدثین کرام نے اصولِ حدیث کی کتب میں حدیثِ قدسی کی اصطلاح استعمال نہیں کی ،یہی وجہ ہے کہ متقدم محدثین و ماہر اصول حدیث کی کتب میں مذکورہ اصطلاح، انکی تعریف اور تعداد کے بارے میں کلام نہیں ملتا۔ موجودہ ذخائرِ کتب کے تحت "الحديث القدسی" کی اصطلاح کو سب سے پہلے متکلمین نے استعمال کیا تھا۔ متکلمین میں سب سے پہلے اس اصطلاح کو أبو بكر محمد بن أبي إسحاق الكلاباذي الحنفي (المتوفی:380 ھجری) نے استعمال کیا[1]۔

جبکہ محدثین کے ہاں "الأحاديث الإلهية" کی اصطلاح سب سے پہلے ابو القاسم علی بن بلبان المقدسی (المتوفی:684ھ) نے اپنی کتاب کے عنوان (المقاصد السنیہ فی الاحادیث الالہیہ) میں استعمال کیا[2]۔ محدثین ہی میں ان کے بعد "الحديث القدسی" کی اصطلاح کو تقي الدين أبو الفتح محمد القشيري، المعروف بابن دقیق العید (المتوفی: 702 ھجری) نے استعمال کیا[3]۔ پھر محدثین ہی میں ان کے بعد "الأحاديث الإلهية" کی اصطلاح کو ابن حجر العسقلانیؒ (المتوفی:852 ھجری) نے استعمال کیا[4]۔ "حديث قدسی" کے عنوان سے اس اصطلاح کو سب سے پہلے علي بن محمد الملا الهروي القاريؒ (المتوفی:1014 ھجری) نے استعمال کیا[5]۔ "حديث رباني" کے عنوان سے اس اصطلاح کو سب

---

[1] الكلاباذي، أبو بكر محمد بن أبي إسحاق، التعرف لمذهب أهل التصوف (بيروت، دار الكتب العلمية،، بدون سنة النشر) 1/5

[2] بلبان، ابو القاسم علی بن المقدسی، المقاصد السنیہ فی الاحادیث الالہیہ (سعودیہ، مکتبہ دار التراث، 1647ء)

[3] ابن دقيق العيد، تقي الدين أبو الفتح، شرح الأربعين النبويه في الأحاديث الصحيحة النبويه (افريقا، مؤسسة الريان، 1424ھ) 1/88

[4] ابن حجر، أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني، النكت على كتاب ابن الصلاح (المدينة المنورة، عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، 1984ء) 2/539

[5] ملّا علی قاری، علي بن محمد الهروي، شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر (لبنان، دار الأرقم، بدون سنة النشر)، 1/135

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے محمد جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم الحلاق قاسمیؒ(المتوفی:1332ھجری) نے استعمال کیا[1]۔"الحدیث الإلهي" اور الحدیث الربانی" کے عنوان سے اس اصطلاح کو سب سے پہلے محمد بن محمد بن سویلم أبو شُهبة (المتوفی:1403ھجری) نے استعمال کیا[2]۔ امام ابن تیمیہؒ(المتوفی:728 ہجری)نے بھی "الحدیث القدسی" کی اصطلاح استعمال کی ہے[3]۔

گویا کہ اس موضوع پر سب سے پہلے استعمال ہونے والی اصطلاح "الحدیث القدسی" ہے جسے متکلمین نے 380 ہجری میں استعمال کیا اور پھر محدثین کے ہاں یہ اصطلاح 702 ہجری میں استعمال ہوئی۔

مستند احادیث قدسیہ کا درجہ دیگر احادیث کی نسبت زیادہ بڑا ہے۔ حدیثِ قدسی میں بیک وقت قاری کا تعلق اللہ اور نبی اکرم ﷺ کیساتھ قائم ہو جاتا ہے۔مستند احادیث قدسیہ کے مطالعہ سے انسان کے سرور میں اضافہ ہوتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں نبی کریم ﷺ بات کو اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔ حدیثِ قدسی کا لفظی تعلق نبی کریم ﷺ سے ہوتا ہے مگر معنوی تعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ہوتا ہے۔ قرآن کے الفاظ تو منزل من اللہ ہیں مگر حدیث قدسی کے الفاظ منزل من اللہ نہیں ہیں۔ حدیث قدسی کی سند اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات عالی پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ حدیثِ قدسی کے علاوہ جو دیگر احادیث ہیں وہ قولی، فعلی یا تقریری ہوتی ہیں جبکہ حدیثِ قدسی صرف اور صرف قولی ہوتی ہے۔

قرآن مجید وحی متلو ہے جبکہ حدیثِ قدسی، وحی غیر متلو ہے۔ وحی متلو اس وحی کو کہتے ہیں جس کی تلاوت کی جاتی ہے جبکہ وحی غیر متلو اس وحی کو کہتے ہیں جس کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے۔ چونکہ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے اس لئے قرآن کو وحی متلو کہتے ہیں اور حدیث چاہے حدیث قدسی ہو یا نہ ہو انکی نماز میں تلاوت نہیں کی جاسکتی ہے۔ قرآن تواتر سے ثابت ہے جبکہ احادیثِ قدسیہ کا متواتر ہونا ضروری نہیں ہے۔ حدیثِ قدسی میں روایتِ حدیث کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کا جو طرز اختیار کیا جاتا ہے وہ طرز حدیثِ رسول ﷺ میں نہیں ہوتا۔ عام حدیث میں جو احکام و نصائح بیان ہوئے ہیں وہ بھی اصلاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتے ہیں مگر احادیث قدسیہ کی نسبت صراحتًا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔

قرآن کا منکر کافر ہوتا ہے مگر حدیثِ قدسی کا منکر کافر نہیں ہوتا۔ احادیث قدسیہ کا مقام، مرتبہ اور فضیلت دیگر احادیث کی نسبت زیادہ ہے۔ تمام احادیث میں سب سے بلند درجہ احادیث قدسیہ کا ہے اور سب سے زیادہ اہمیت کی حامل بھی احادیث قدسیہ ہیں کیونکہ اس میں حدیث کے الفاظ نبی اکرم ﷺ کے ہوتے ہیں لیکن بات اللہ کی ہوتی

[1] قاسمي، محمد جمال الدين بن محمد سعيد، قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث، 1/ 67

[2] أبو شُهبة، محمد بن محمد بن سويلم، الوسيط في علوم و مصطلح الحديث (مصر، دار الفكر العربي، بدون سنة النشر) 1/ 214

[3] ابن تيميه، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم، الاحتجاج بالقدر (بيروت، المكتب الإسلامي، 1404ھ) 1/ 64

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ گویا کہ احادیث قدسیہ میں نبی اکرم ﷺ اللہ کی بات کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ احادیث قدسیہ میں جس درجہ کا تقدس پایا جاتا ہے تو اُس درجہ کا تقدس دیگر احادیث میں نہیں پایا جاتا۔ جس طرح دیگر احادیث سے ایمانی، اخلاقی، روحانی، معاشی، معاشرتی فوائد حاصل ہوتے ہیں تو اسی طرح احادیث قدسیہ سے بھی یہ تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

احادیث قدسیہ سے ایمانی ترفع حاصل ہوتا ہے، اخلاقی عروج ملتا ہے، معاشرتی لحاظ سے بہتری حاصل ہوتی ہے، امور سیاست میں رہنمائی ملتی ہے، انفرادی واجتماعی سطح پر دینی ودنیاوی معاملات بہتر ہوتے ہیں، تعلق مع اللہ اور تعلق مع الرسول میں بہتری واقع ہوتی ہے۔ جس طرح دیگر احادیث، بندہ مسلم کے ایمان و عمل کو درست رکھتی ہیں اسی طرح احادیث قدسیہ بدرجہ اولیٰ بندہ مسلم کے ایمان اور عمل کو درست رکھتی ہیں۔

آیات قرآنی کی روشنی میں لفظ حدیث کا مفہوم

﴿ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴾[1]

(جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور رسول کی نافرمانی کی تھی وہ اس دن کی آرزو کریں گے کہ کاش زمین کے برابر ہو جائیں اور اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے)

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں حدیث کا لفظ "بات" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں کفار اور عاصیان رسول کو یہ بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن اس بات کی آرزو کرینگے کہ کاش وہ زمین کے اندر برابر کر دیۓ جائیں تاکہ انکی اقوال وافعال چھپ جائیں مگر ایسا نہیں ہوسکے گا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔

﴿ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ ٱلْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِى بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَـٰذِهِۦ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَـٰذِهِۦ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ ۖ فَمَالِ هَـٰٓؤُلَآءِ ٱلْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا﴾[2]

(تم جہاں کہیں ہوگے موت تمہیں آہی پکڑے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی ہو اور اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی)

---

[1] النساء:42

[2] ایضًا:78

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں حدیث کالفظ "بات" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس آیت میں منافقین کو یہ بتایا گیا ہے کہ انسان جہاں کہیں بھی پناہ اختیار کرلے بالآخر اسے اسکے مقررہ وقت پر موت آکر رہے گی،خواہ وہ مضبوط قلعوں ہی میں پناہ کیوں نہ لے لے تب بھی اسے موت آکر رہے گی۔مزید یہ کہ جب منافقین کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر منافقین کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہے۔لہذا منافقین کے اس طرز عمل پر قرآن نے فرمایا کہ ان منافقین کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

﴿ اَللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴾[1]

(اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی بندگی نہیں بے شک قیامت کے دن تم سب کو جمع کرے گا اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے)

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں حدیث کالفظ "بات" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ کی ذات وہ ذات ہے جس کے سوا کسی اور کی بندگی جائز نہیں ہے اور بلاشبہ اللہ قیامت کے دن لوگوں کو جمع فرمائے گا اور قیامت کے واقع ہونے اور لوگوں کے اس دن جمع کئے جانے میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلاَ تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾[2]

(اور جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے ہیں تو اُن سے اُس وقت تک کے لئے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو)

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں حدیث کالفظ "بات" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اہل ایمان کو یہ تلقین فرما رہے ہیں کہ اے مسلمانو!جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو اللہ کی آیات کا مذاق بنا رہے ہیں یا آیات کیساتھ کھیل رہے ہوں تو پھر اے مسلمانو!تم ان سے اعراض کرو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول

---

[1] النساء:87

[2] الانعام:68

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو جائیں اور ایسی صورت میں ایسے لوگوں کے پاس سے اُٹھ جانا چاہیے جو اللہ کی آیات کا مذاق اڑا رہے ہوں اور اگر شیطان کسی کو اس جگہ سے اٹھنے کے حوالے کے حوالے سے بھلا دے تو پھر جیسے ہی یہ بات یاد آجائے کہ مجھے تو یہاں سے اٹھ جانا چاہیے تھا تو پھر یاد آتے ہی ان ظالموں کے پاس سے اٹھ جایا جائے اور وہاں نہ بیٹھا جائے۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں لفظ حدیث کا مفہوم

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُولُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى وَيَقُولُ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ))[1]

(حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور جلال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی حتیٰ کہ ایسا لگتا جیسے آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ وہ (لشکر) صبح یا شام (تک) تمھیں آلے گا اور فرماتے ہیں "میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں" اور آپ اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر دکھاتے اور فرماتے۔" (حمد و صلاۃ) کے بعد بلاشبہ بہترین حدیث (کلام) اللہ کی کتاب ہے اور زندگی کا بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ زندگی ہے اور (دین میں) بدترین کام وہ ہیں جو خود نکالے گئے ہوں اور ہر نیا نکالا ہوا کام گمراہی ہے پھر فرتے:"میں ہر مومن کے ساتھ خود اس کی نسبت زیادہ محبت اور شفقت رکھنے والا ہوں جو کوئی (مومن اپنے بعد) مال چھوڑ گیا تو وہ اس کے اہل و عیال (وارثوں) کا ہے اور جو مومن قرض یا بے سہارا اہل و عیال چھوڑ گیا تو (اس قرض کو) میری طرف لوٹایا جائے (اور اس کے کنبے کی پرورش) میرے ذمہ ہے)

مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ میں حدیث کا لفظ "کلام" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس حدیث میں قرآن حکیم کو بہترین حدیث یعنی بہترین کلام قرار دیا گیا ہے۔

((أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ بُرَيْدَةَ، حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا، أَوْ سَرِيَّةً دَعَاهُ فَأَوْصَاهُ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ سُفْيَانَ))[2]

[1] قشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ (بیروت، المکتبۃ العلمیہ، 1994ء) ح:867

[2] قشیری، مسلم بن الحجاج، باب تأمیر الإمام الأمراء علی البعوث، ح:1731

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(سلیمان بن بریدہ نے اپنے والد سے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب کسی امیر کو یا چھوٹے لشکر کو روانہ کرتے تو آپ اسے بلاتے اور تلقین فرماتے۔ پھر انہوں (شعبہ) نے سفیان کی حدیث کے ہم معنی حدیث بیان کی)

مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ میں حدیث کا لفظ "قولی حدیث" کیلئے استعمال ہوا ہے۔ حدیث کی تین اقسام ہیں؛ قولی، فعلی اور تقریری۔ ان تین اقسام میں سے حدیث قولی کا ذکر مندرجہ بالا حدیث میں آیا ہے۔ حدیث قولی وہ ہوتی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ اپنی لسان مبارک سے کسی امر یا واقعہ کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

لغت میں لفظ حدیث کا مفہوم

جوھریؒ، تاج اللغۃ میں حدیث کی لغوی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اَلْحَدِيْثُ: اَلْخبَرُ، يَأْتِي عَلَى الْقَلَيْلِ وَالْكَثِيْرِ، ويُجْمَعُ عَلَى أَحَادِيْثٍ عَلَى غَيْرِ قِيَاسٍ"[1]

(حدیث کے معنی خبر ہیں، اسکا اطلاق قلیل اور کثیر خبر پر ہوتا ہے، اور خلاف قیاس تمام خبروں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے)

جوھریؒ حدیث کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث کے لغوی معنیٰ "خبر" ہیں اور مزید اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ خبر چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، اس کے لئے حدیث کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

ابن منظورؒ، حدیث کی لغوی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اَلْحَدِيْثُ: نَقِيْضُ الْقَدِيْمِ"[2] (قدیم کی ضد ہے)

ابن منظورؒ، لسان العرب میں حدیث کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث ضد ہے قدیم کی۔ یعنی حدیث کا لفظ قدیم کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ قدیم کا مطلب ہے پرانا اور پرانے کے مقابلے میں نئے کے لئے حدیث کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

ماہرین اصطلاحات کے نزدیک حدیث قدسی کی تعریف

جرجانیؒ، حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

[1] جوھري، أبو نصر إسماعيل بن حماد الفارابي، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، (بيروت، دار العلم للملايين، 1407ھ) 1/278

[2] ابن منظور، محمد بن مكرم الأنصاري الرويفعي الإفريقي، لسان العرب، (بيروت: دار صادر، 1414ھ) 2/131

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"هُوَ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى مِنْ عِنْدِ اللهِ تَعَالَى، وَمِنْ حَيْثُ اللَّفْظِ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، فَهُوَ مَا أَخْبَرَ اللهُ تَعَالَى نَبِيَّه بِالْهَامِ أَوْ بِالْمَنَامِ، فَأَخْبَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ ذٰلِكَ الْمَعْنٰى بِعِبَارَةِ نَفْسِه، فَالْقُرْآنُ مُفَضَّلٌ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ لَفْظَهُ مُنَزَّلٌ أَيْضًا"[1]

(یہ وہ حدیث ہے جو معنی کے نقطہ نظر سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اور لفظ کے نقطہ نظر سے یہ نبی مکرم ﷺ کی جانب سے ہوتی ہے۔ پس یہ وہ حدیث ہے جس کی خبر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ الہام یا خواب دی۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے ذاتی الفاظ کی تعبیر سے (لوگوں کو) اس کی خبر دی۔ پس قرآن فضیلت رکھتا ہے اس (حدیث قدسی) پر، کیونکہ اس (قرآن) کے الفاظ بھی منزّل ہیں)

جرجانیؒ کی بیان کردہ تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث قدسی معناً تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے مگر لفظاً نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہوتی ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ کی طرف سے حدیث قدسی کی خبر الہام یا خواب کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے ذاتی الفاظ سے لوگوں کو اس سے مطلع فرمایا۔ مزید یہ کہ قرآن مجید فضیلت کے اعتبار سے حدیث قدسی پر مقدم ہے کیونکہ قرآن حکیم کے الفاظ اللہ کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں جبکہ حدیث قدسی معناً تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے مگر لفظاً نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہے۔

قاضي محمد حامدؒ، حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اَلْحَدِيْثُ الْقُدْسِيِّ هُوَ الَّذِيْ يَرْوِيْهِ النَّبِيُّ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِه وَسَلَّم عَنْ رَبِّه عَزَّ وَجَلَّ"[2]

(حدیث قدسی وہ ہے جس کو نبی مکرم ﷺ اپنے رب سے روایت کریں)

قاضي محمد حامدؒ نے انتہائی سادہ الفاظ میں حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس حدیث کو نبی اکرم ﷺ اپنے رب سے روایت کریں یعنی جس حدیث کی نسبت نبی اکرم ﷺ اپنے رب کی طرف فرمائیں تو وہ حدیث قدسی کہلائے گی۔

أحمد مختارؒ، حدیث کی لغوی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "كُلُّ مَا يَتَحَدَّثُ بِهِ مِنْ كَلَامٍ وَخَبَرٍ"[3]

(ہر وہ چیز جس کے ذریعے سے بات اور خبر بیان کی جائے)

[1] جرجاني، علي بن محمد الشريف، كتاب التعريفات (بيروت، دار الكتب العلمية، 1403ھ) 1/83

[2] فاروقي، قاضي محمد حامد، موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم (بيروت، مكتبة لبنان، 1996ء) 1/629

[3] عبد الحميد، أحمد مختار عمر، معجم اللغة العربية المعاصرة (بيروت، عالم الكتب، 1429ھ) 1/454

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَحمد مختارؒ کی بیان کردہ تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کے ذریعے سے کوئی بات یا خبر بیان کی جائے اسے حدیث کہتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا بیان کردہ قرآن و حدیث میں لفظ حدیث، "بات" اور "کلام" کے معنی میں استعمال ہوا ہے پہلی قرآنی آیت میں بیان ہوا ہے کہ کافر لوگ قیامت کے دن اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔ دوسری قرآنی آیت میں بیان ہوا ہے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تیسری قرآنی آیت میں بیان ہوا ہے کہ اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے چوتھی قرآنی آیت میں اہل ایمان کو تلقین کی گئی ہے کہ جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے ہیں تو اُن سے اُس وقت تک کے لئے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ پہلی حدیث میں قرآن حکیم کو بہترین حدیث یعنی بہترین کلام قرار دیا گیا ہے۔ دوسری حدیث میں بیان ہوا ہے کہ شعبہؒ نے سفیانؒ کی حدیث کے ہم معنی حدیث بیان کی ہے اس حدیث میں لفظ حدیث اپنے اصطلاحی معنی میں بیان میں ہوئی ہے۔ ماہرین لغت نے حدیث کا معنی خبر بیان کیا ہے۔

محدثین کے نزدیک حدیثِ قدسی کی تعریف

ابن حجر عسقلانیؒ، حدیث قدسی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"لَا بُدّ مِنْ بَيَانِ الْفَرْقِ بَيْنَ الْوَحْيِ الْمَتْلُوِّ وَهُوَ الْقُرْآنُ وَالْوَحْيُ الْمَرْوِيُّ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ مَا وَرَدَ مِنَ الْأَحَادِيثِ الْإِلَهِيَّةِ وَتُسَمَّى الْقُدْسِيَّةَ"[1]

(وحی متلو یعنی قرآن اور وہ وحی جو کہ نبی ﷺ نے اپنے رب سے روایت کی ہے ان کے درمیان فرق بیان کرنا ضروری ہے اور یہ (وحی غیر متلو) وہ ہے جو احادیث الٰہیہ میں سے وارد ہوا ہے اسے احادیث قدسیہ کا نام دیا جاتا ہے)

حلبیؒ، حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"هُوَ مَا أُضِيفَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وَأَسْنَدَهُ إِلَى رَبِّه عَزَّ وَجَلَّ "[2]

(یہ وہ حدیث ہے جس کی نسبت تو رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جائے اور اس کی سند اللہ کی طرف ہو)

[1] الفاروقی، محمد بن علي، 1/629

[2] حلبی، نور الدین محمد عتر، منہج النقد في علوم الحدیث (دمشق، دار الفکر، 1399ھ) 1/323

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الحلبیؒ نے سلیس الفاظ میں حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حدیث قدسی ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کی لفظاً نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہو اور اس کی سند اللہ تک پہنچتی ہو۔

عثیمینؒ حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"مَا رَوَاهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم عَنْ رَبِّه"[1]

(جسے نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب سے روایت کیا ہو)

شیخ عثیمین نے سادہ الفاظ میں حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس حدیث کو نبی اکرم ﷺ اپنے رب سے روایت کریں اسے حدیث قدسی کہتے ہیں۔

طحانؒ، حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"هُوَ مَا نُقِلَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم، مَعَ إِسْنَادِه إِیَّاهُ إِلَی رَبِّه عَزَّ وَجَلَّ" [2]

(یہ وہ احادیث ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے نقل کی گئیں باوجود اسکے کہ اس کی اسناد اللہ تعالیٰ سے ہوں)

طحانؒ نے سلیس انداز میں حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ باوجود اسکے کہ حدیث قدسی کی سند اللہ تعالیٰ تک پہنچتی ہے مگر اسے نبی اکرم ﷺ روایت کرتے ہیں۔ گویا کہ حدیث قدسی کی سند کا آغاز نبی اکرم ﷺ سے ہوتا ہے اور سند کا اختتام اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ہوتا ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ مندرجہ بالا تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بات نبی اکرم ﷺ اپنے رب سے منقول فرمائیں، وہ احادیث الٰہیہ میں سے ہے اور اسے حدیث قدسی کا نام دیا جاتا ہے۔ اکثر محدثین کے ہاں حدیث کی تعریف اپنے مفہوم کے لحاظ سے کم و بیش یکساں ہے البتہ الفاظ کا فرق ہے۔ عثیمینؒ کی بیان کردہ حدیث کی تعریف میں لفظ وصف کا اضافہ ہے۔ دیگر حضرات کی تعریفات میں نبی اکرم ﷺ کے قولی، فعلی اور تقریری الفاظ کو حدیث کہا گیا ہے۔ اہل لغت میں جرجانیؒ کی بیان کردہ تعریف حدیث قدسی میں وہ فرتے ہے کہ حدیث قدسی معناً تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے مگر لفظاً نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہوتی ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ کی طرف سے حدیث قدسی کی خبر الہام یا خواب کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے ذاتی الفاظ سے لوگوں کو اس سے

---

[1] عثیمین، محمد بن صالح، 1/ 5

[2] طحان، أبو حفص محمود بن أحمد، تیسیر مصطلح الحدیث (سعودیہ، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، 1425ھ) 1/ 158

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطلع فرمایا۔ قاضي محمد حامدؒ نے حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایاہے کہ جس حدیث کو نبی اکرم ﷺ اپنے رب سے روایت کریں اسے حدیث قدسی کہتے ہیں۔ابو حفصؒ نے حدیث قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایاہے کہ باوجود اسکے کہ حدیث قدسی کی سند اللہ تعالیٰ تک پہنچتی ہے مگر اسے نبی اکرم ﷺ روایت کرتے ہیں۔ الحلبيؒ نے قدسی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایاہے کہ حدیث قدسی ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کی لفظاًنسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہو اور اس کی سند اللہ تک پہنچتی ہو۔

قرآن اور حدیث قدسی میں فرق

محقق صابر فاروقی ؒ قرآن اور حدیث قدسی میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"الْفَرْقُ بَيْنَ الْقرْآن وَالْحَديث الْقُدْسيِّ عَلَى ستَّة أَوْجه: الْوَجْهُ الْأَوَّلُ أَنَّ الْقُرْآنَ مُعْجزٌ وَالْحَديثُ الْقُدْسيُّ لَا يَلْزَمُ أَنْ يَكُونَ مُعْجزًا. وَالثَّاني أَنَّ الصَّلَاةَ لَا تَكُونُ إلّا بالْقُرْآن بخلَاف الْحَديث الْقُدْسيِّ.وَالثَّالثُ أَنّ جَاحدَ الْقُرْآن يُكَفَّرُ بخلَاف جَاحده.وَالرَّابعُ أَنّ الْقُرْآنَ لَا بُدّ فيه منْ كَوْن جَبْرَئيل عَلَيْه السَّلَامُ وَاسطَةً بَيْنَ النَّبيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْه وَآله وَسَلَّمَ وَبَيْنَ اللَّه تَعَالَى بخلَاف الْحَديث الْقُدْسيِّ.وَالْخَامسُ أَنّ الْقُرْآنَ يَجبُ أَنْ يَكُونَ لَفْظًا منْ اللَّه تَعَالَى وَفي الْحَديث الْقُدْسيِّ يَجُوزُ لَفْظُ منَ النَّبيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْه وَآله وَسَلَّمَ. وَالسَّادسُ أَنّ الْقُرْآنَ لَا يَمَسّ إلّا بالطَّهَارَة وَالْحَديثُ الْقُدْسيُّ يَجُوزُ مَسّهُ منَ الْمُحَدّث انْتَهَى"[1]

(قرآن اور حدیث قدسی کے درمیان چھ جہت سے فرق ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ قرآن معجزہ ہے اور حدیثِ قدسی کا معجزہ ہونا لازم نہیں ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ نماز قرآن کے بغیر نہیں ہوسکتی بر خلاف حدیث قدسی کے اور تیسری صورت یہ ہے کہ قرآن کے انکار کرنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے بر خلاف حدیثِ قدسی کے انکار کرنے والے کے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ قرآن (کے نزول) کے لئے اللہ اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان جبرائیلؑ کا وجود بطور واسطہ ضروری ہے، بر خلاف حدیث قدسی کے اور پانچویں صورت یہ ہے کہ قرآن کے لئے یہ ضروری ہے کہ (اسکے) الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور حدیث قدسی میں یہ جائز ہے کہ الفاظ نبی ﷺ کی طرف سے ہوں (اور چھٹی صورت یہ) کہ قرآن کو طہارت کے بغیر نہیں چھوسکتے اور محدث (یعنی جسے حدث لاحق ہو) کا حدیث قدسی کو چھونا جائز ہے)

---

[1] فاروقي، محمد بن علي، 1/ 630

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مندرجہ بالا وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث میں چھ لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے جس کی وضاحت ذیل میں بیان کی جارہی ہے:

۱) قرآن مجید معجزہ ہے جبکہ حدیثِ قدسی معجزہ نہیں ہے۔ قرآن مجید کے معجزہ ہونے کو اس دور کے کفار نے بھی تسلیم کیا جس دور میں قرآن نازل ہو رہا تھا اور اب تک کوئی ایک کافر بھی اس قرآن جیسا فصیح و بلیغ کلام نہیں پیش کر سکا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود یہ فرمایا کہ

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾[1]

(اور اگر تمہیں کوئی شک ہے اس بارے میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کیا ہے تو تم اس جیسی ایک سورۃ بنالاؤ اور تم اپنے مددگاروں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو)۔

یقیناً قرآن مجید ایک معجزہ ہے تبھی تو آج تک قرآن کے مذکورہ بالا چیلنج کو آج تک کوئی بھی قبول نہ کر سکا۔ حدیثِ قدسی کے بارے میں نہ تو اللہ کی طرف سے ایسا کوئی چیلنج سامنے آیا ہے اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ایسا کوئی چیلنج سامنے آیا ہے۔ قرآن مجید کو تو بطور معجزہ پیش کیا گیا ہے جبکہ حدیثِ قدسی کو بطور معجزہ پیش نہیں کیا گیا۔

۲) نماز میں قیام کے دوران قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے جبکہ حدیثِ قدسی کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ نماز میں قیام کے دوران اگر حدیثِ قدسی کی تلاوت کی جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگرچہ حدیثِ قدسی بھی قرآن کیطرح ایک اعلیٰ، ارفع اور مقدس شے ہے اور حدیثِ قدسی مصدر شریعت بھی ہے مگر حدیثِ قدسی کی تلاوت نماز میں جائز نہیں ہے اور حدیثِ قدسی کی تلاوت سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

۳) قرآن کا انکار کرنے والا کافر قرار پاتا ہے اور حدیثِ قدسی کا انکار کرنے والا کافر نہیں قرار پاتا بلکہ فاسق قرار پاتا ہے۔ چونکہ قرآن دلیل قطعی سے ثابت ہے اسلئے قرآن کے انکار کرنے والے کو کافر قرار دیا جاتا ہے جبکہ حدیث دلیل ظنی سے ثابت ہے اسلئے حدیث کا انکار کرنے کافر تو نہیں قرار پاتا البتہ فاسق قرار پاتا ہے۔

۴) قرآن کے نزول کے لئے اللہ اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان جبرائیلؑ کا وجود بطور واسطہ ضروری ہے جبکہ حدیثِ قدسی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ حدیثِ قدسی بذریعہ الہام اور رؤیت بھی ہو سکتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو القاء کر کے بھی کوئی بات ارشاد فرماسکتے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ خواب نبی اکرم ﷺ کو کسی

[1] البقرۃ: 23

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بات کی تلقین فرما دیں۔لہذا حدیثِ قدسی، القاء اور رؤیت دونوں طریقے سے ہوسکتی ہے جبکہ قرآن کے نزول کے لئے اللہ اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان جبرائیلؑ کا وجود بطور واسطہ ضروری ہے۔

۵) قرآن حکیم کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جبکہ حدیث قدسی کے الفاظ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہیں۔ گویا کہ قرآن مجید لفظاً اور معناً دونوں جہت سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف منسوب ہے جبکہ حدیث قدسی صرف معناً اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف منسوب ہے کیونکہ حدیث قدسی میں الفاظ نبی اکرم ﷺ کے ہیں اور بات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

۶) قرآن حکیم کو طہارت کے بغیر چھونا جائز نہیں ہے کیونکہ قرآن حکیم کو چھونے کے لئے طہارت لازم ہے۔ جبکہ حدیثِ قدسی کو چھونے کے لئے طہارت لازم نہیں ہے البتہ اعلیٰ، افضل اور پسندیدہ یہی ہے کہ حدیثِ قدسی کو طہارت کی حالت میں چھوا جائے۔

احادیث قدسیہ پر غور وخوض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا چھ فرق کے علاوہ احادیث قدسیہ میں مزید فرق بھی پائے جاتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۷) قرآن مجید میں ضعیف اور موضوع ہونے کا مسئلہ نہیں ہے جبکہ احادیث قدسیہ میں ضعیف اور موضوع کا مسئلہ بھی ہے۔

۸) قرآن مجید آیات، رکوع، سورتوں، پاروں اور منزلوں میں منقسم ہے جبکہ احادیث قدسیہ میں ایسی تقسیم نہیں ہے۔

۹) قرآن مجید کے پڑھنے کے لئے تلاوت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جبکہ احادیث قدسیہ کے پڑھنے کے لئے تلاوت کی اصطلاح استعمال نہیں کی جاتی ہے۔

۱۰) قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے تعوذ اور تسمیہ پڑھنا لازم ہے جبکہ احادیث قدسیہ کے لئے تعوذ نہیں پڑھا جاتا ،البتہ تسمیہ سے احادیث قدسیہ کے پڑھنے کا آغاز کرنا بہتر ہے۔

۱۱) قرآن مجید کی ہر سورۃ کا ایک مخصوص نام ہے جبکہ احادیث قدسیہ کیساتھ ایسا معاملہ نہیں ہے۔

۱۲) قرآن مجید کی ہر آیت کی تلاوت پر دس دس نیکیاں حدیث میں صراحتاً مذکور ہیں۔ احادیث قدسیہ کے پڑھنے پر یقیناً دیگر نیک اعمال کیطرح ثواب تو ملے گا مگر جسطرح قرآن کی تلاوت پر ثواب صراحتاً مذکور ہے تو اس طرح احادیث قدسیہ کے پڑھنے پر صراحتاً کوئی ثواب مذکور نہیں ہے۔

۱۳) قرآن مجید میں رموز اوقاف ہوتے ہیں جبکہ احادیث قدسیہ میں رموز اوقاف نہیں ہوتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گویا کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے جبکہ حدیثِ قدسی معجزہ نہیں ہے۔ نماز میں قیام کے دوران قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے جبکہ حدیثِ قدسی کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ قرآن کا انکار کرنے والا کافر قرار پاتا ہے اور حدیثِ قدسی کا انکار کرنے والا کافر نہیں قرار پاتا۔ قرآن کے نزول کے لئے اللہ اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان جبرائیلؑ کا وجود بطور واسطہ ضروری ہے جبکہ حدیثِ قدسی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جبکہ حدیث قدسی کے الفاظ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہیں۔ قرآن حکیم کو طہارت کے بغیر چھونا جائز نہیں ہے کیونکہ قرآن حکیم کو چھونے کے لئے طہارت لازم ہے۔ قرآن مجید میں ضعیف اور موضوع ہونے کا مسئلہ نہیں ہے جبکہ احادیث قدسیہ میں ضعیف اور موضوع کا مسئلہ بھی ہے۔ قرآن مجید آیات، رکوع، سورتوں، پاروں اور منزلوں میں منقسم ہے جبکہ احادیث قدسیہ میں ایسی تقسیم نہیں ہے۔ قرآن مجید کی ہر سورۃ کا ایک مخصوص نام ہے جبکہ احادیث قدسیہ کیساتھ ایسا معاملہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں رموز اوقاف ہوتے ہیں جبکہ احادیث قدسیہ میں رموز اوقاف نہیں ہوتے ہیں۔

حدیث رسول ﷺ اور حدیث قدسی میں فرق

حدیث اور حدیث قدسی میں درج ذیل فرق پائے جاتے ہیں:

۱) حدیث قدسی میں نبی اکرم ﷺ روایتِ حدیث کو اپنے رب سے روایت کرتے ہیں جبکہ عام حدیث میں نبی اکرم ﷺ روایتِ حدیث کو اپنے رب سے روایت نہیں کرتے ہیں۔

۲) حدیث قدسی میں نبی اکرم ﷺ بیان کردہ الفاظ کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ عام حدیث میں نبی اکرم ﷺ بیان کردہ الفاظ کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتے ہیں۔

۳) حدیث قدسی کی سند اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ختم ہوتی ہے جبکہ عام حدیث کی سند نبی اکرم ﷺ پر ختم ہوتی ہے۔

۴) حدیث قدسی اور عام حدیث کی سند میں الفاظ کا تفاوت بھی ہوتا ہے مثلاً: حدیث قدسی میں یرویه عن ربه یا قال اللہ تعالی وغیرہ کے الفاظ موجود ہوتے ہیں جبکہ عام حدیث میں مذکورہ الفاظ موجود نہیں ہوتے ہیں۔[1]

حاصل بحث یہ ہے کہ حدیث قدسی میں نبی اکرم ﷺ حدیث کو اپنے رب سے روایت کرتے ہیں اور بیان کردہ الفاظ کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حدیث قدسی کی سند اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ختم ہوتی ہے جبکہ حدیثِ رسول ﷺ میں سند نبی اکرم ﷺ پر ختم ہوتی ہے۔

[1] قاسمی، مفتی محمد ثمین اشرف، تجلیات قدسیۃ (انڈیا، ابراہیم لائبریری بہار، 2016ء) 1/39

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث قدسی کو روایت کرنے کے طریقے :

ابو شھبہؒ، احادیث قدسیہ کو روایت کرنے کے طریقوں کے متعلق تحریرًا فرماتے ہیں کہ:

"لِلْعُلَمَاءِ فِي طَرِيقَةِ الْحَدِيثِ الْقُدْسِيِّ طَرِيقَتَان:

الْأُولَى: أَنْ يَقُولَ الرَّاوِي عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ...، أَوْ يَقُولُ", أَوْ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – قَالَ اللَّهُ تَعَالَى... إِلَخْ, أَوْ يَقُولُ: "قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ... " إِلَخْ, أَوْ "يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّكُمْ قَالَ ... " وَأَمْثِلَةُ ذَلِكَ قَدْ سَبَقَتْ هَذِهِ طَرِيقَةُ السَّلَفِ.

الثَّانِيَةُ: أَنَّهُ يَقُولُ:قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْهُ رَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذِهِ طَرِيقَةُ الْخَلَفِ وَالطَّرِيقَةُ الْأُولَى أَوْلَى لِمَا فِيهَا مِنْ مُوَافَقَةِ الْأَلْفَاظِ الْوَارِدَةِ فِي الْأَحَادِيثِ الْقُدْسِيَّةِ كَمَا سَمِعَتْ آنِفًا"[1]

(علماء کرام کے نزدیک حدیث قدسی کے طرز میں دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ یہ ہے کہ راوی کہے: عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ یا راوی کہے: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – قَالَ اللَّهُ تَعَالَى یا راوی کہے: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ أَوْ "يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّكُمْ قَالَ اور اسکی مثالیں گزر چکی ہیں اور یہ سلف کا طریقہ ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ راوی کہے: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْهُ رَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور یہ خلف (بعد والوں) کا طریقہ ہے اور پہلا طریقہ اولیٰ ہے چونکہ اس میں احادیث قدسیہ میں وارد کردہ الفاظ سے موافقت ہے جیسا کہ حال میں سنا جاتا ہے)

گویا کہ حدیث قدسی کو روایت کرنے کے مختلف الفاظ اور ان مخصوص الفاظ کے استعمال کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث قدسی اور عام حدیث میں کیا فرق ہے۔ احادیث مبارکہ میں حدیث قدسی کے لئے جو مخصوص الفاظ بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

[1] اَبو شُھبۃ، محمد بن محمد، 1/221

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱) عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ

۲) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

۳) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ

۴) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّكُمْ قَالَ

۵) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْهُ رَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [1]

احادیثِ قدسیہ میں بیان کردہ موضوعات

احادیث قدسیہ میں بہت سے مضامین بیان ہوئے ہیں جن میں سے چند اہم مضامین درج ذیل ہیں:

۱) عقائد

۲) ایمانیات

۳) عظمت الٰہی

۴) عظمت رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۵) اخلاق حسنہ

۶) ایفائے عہد

۷) صبر

۸) باہمی محبت

۹) حسن ظن

۱۰) انسانی ہمدردی بذریعہ انفاق مال

۱۱) ظلم سے اجتناب

۱۲) نعمت سے محرومی پر طرز عمل

۱۳) شہداء کا مرتبہ

[1] قادری، مولانا اسید الحق محمد عاصم، احادیث قدسیہ (انڈیا، تاج الفحول اکیڈمی دہلی، 2008ء) 1/ 20-19

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۴) تکبر سے اجتناب

۱۵) جہاد کی فضیلت

۱۶) زکوۃ

۱۷) منافقت

۱۸) دعا

۱۹) موت

۲۰) مرض

۲۱) ملاقات

۲۲) نعمت

۲۳) نماز

۲۴) انفاق

۲۵) روزہ

۲۶) حج[1]

حاصل گفتگو یہ ہے کہ احادیث قدسیہ میں توحید، رسالت، آخرت، عقائد، اخلاقیات وغیرہ تمام اہم موضاعات بیان ہوئے ہیں۔ انسانی زندگی کے تمام اہم معاملات سے متعلق احادیث قدسیہ موجود ہیں جس سے خاص و عام استفادہ کر کے اپنی دنیاوی واخروی فوز وفلاح کی کوشش کر سکتے ہیں۔

حدیث قدسی کی خصوصیات

حدیث قدسی کا درجہ حدیث رسول ﷺ کی نسبت بلند ہے جس کیوجہ یہ ہے کہ حدیث قدسی میں حدیث رسول ﷺ کی نسبت چند ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو حدیث قدسی کو حدیث رسول ﷺ سے ممیز کر دیتی

[1] قادری، مولانا اسید الحق، 1/ 9-5

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔حدیث قدسی کے انہی خواص کیوجہ سے ان کا درجہ حدیث رسول ﷺ سے بلند ہے۔حدیث قدسی میں حدیث رسول ﷺ کی نسبت جو اضافی خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱) حدیث قدسی میں نبی اکرم ﷺ روایتِ حدیث کو اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔

۲) حدیث قدسی میں نبی اکرم ﷺ بیان کردہ الفاظ کو اللہ کی طرف منسوب کرکے بیان فرماتے ہیں۔

۳) حدیث قدسی کی سند اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ختم ہوتی ہے۔

۴) حدیث قدسی کی سند میں مخصوص الفاظ کا اضافہ ہوتا ہے مثلاً: یرویہ عن ربہ یا قال اللہ تعالی وغیرہ۔

۵) حدیث قدسی کا درجہ عام حدیث سے بڑا ہے۔[1]

احادیث قدسیہ کے مجموعات

احادیث قدسیہ کے موضوع پر کئی کتب لکھی گئی ہیں جسکی تفصیل سابقہ کام کے جائزہ میں بیان کردی گئی ہے۔بعض مؤلفین نے اربعین کے نقطہ نظر سے کتب لکھی ہیں۔بعض نے صرف صحیح روایات کو جمع کرنے کی غرض نے کتاب لکھی ہے۔بعض نے کثرت کی بنیاد پر یعنی جتنی زیادہ روایات انہیں مل سکیں تو انہوں نے انہیں جمع کیا اور بعض نے احادیث قدسیہ کی شروحات پر کام کیاہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مختلف مصنفین نے اپنے منہج اور ذوق وشوق کی بنیاد پر احادیث قدسیہ جمع کی ہیں اسی لئے بعض نے اربعین کو مد نظر رکھتے ہوئے 40 کی تعداد میں احادیث جمع کی ہیں۔بعض نے قوی صحت کو مد نظر رکھتے ہوئے 100، 101 اور 133 احادیث جو کہ انہیں مل سکی وہ انہوں نے جمع کی ہیں۔بعض نے احادیث کی کثرت کو مد نظر رکھتے ہوئے جتنی کثیر احادیث قدسیہ انہیں مل سکی ہیں تو انہوں نے وہ کثیر تعداد جمع کی ہے، جیسے بعض نے 863 اور 1150 جمع کی ہیں۔سب سے کثیر تعداد میں محمد خلیل الرحمٰن برہان پوریؒ نے اپنی کتاب "احادیث قدسیہ" میں 1268 احادیث قدسیہ جمع کی ہیں، لیکن آپ نے حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا ہے اور آپ کی کتاب میں صحیح، ضعیف اور موضوع، تمام احادیث بغیر وضاحتِ حکمِ حدیث موجود ہے۔

[1] قادری، مولانا اسید الحق، 1/ 51-52

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تجزیہ و تلخیص

احادیث قدسیہ کی کل تعداد کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔سب سے زیادہ احادیث قدسیہ محمد خلیل الرحمٰن برہان پوریؒ نے اپنی کتاب "احادیث قدسیہ" میں 1268 جمع کی ہیں، لیکن مؤلف صاحب نے جمع کردہ احادیث پر صحیح، ضعیف اور موضوع وغیرہ کا کوئی حکم نہیں لگایا ہے اور احادیث کی تشریح بھی بیان نہیں کی ہے۔عصام الدین الصبابطیؒ نے اپنی کتاب جامع الأحادیث القدسیۃ میں 1150 احادیث قدسیہ جمع کی ہیں اور آپؒ نے اپنی کتاب میں جمع کردہ احادیث پر صحیح، حسن، حسن لغیرہ، ضعیف اور موضوع کا حکم بھی لگایا ہے اور آپؒ نے احادیث کا ترجمہ اور سیر حاصل شرح بھی بیان کی ہے۔ آپؒ کی کتاب میں کل مستند روایات کی تعداد 553 ہے، ضعیف روایات کی تعداد 481 ہے، موضوع روایات کی تعداد 53 ہے۔

جھوٹی حدیث بیان کرنے والوں نے نہ صرف نبی اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرکے جھوٹی احادیث بیان کی ہیں بلکہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان شقی لوگوں نے اللہ کی طرف بھی جھوٹ منسوب کرکے جھوٹی احادیث قدسیہ بیان کی ہیں۔ مشہور موضوع احادیث قدسیہ میں "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا"، "اے بندے! ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے"، "اے داؤدؑ! زمین میں میرا ایک گھر تعمیر کرو" شامل ہیں۔

مشہور ضعیف احادیث قدسیہ میں "جس شخص توحید کے ذریعہ انعام کیا گیا اسکی جزا جنت کے سوا اور کیا ہوگی"، "جو میرے قلعہ میں داخل ہوگیا تو وہ میرے عذاب سے محفوظ ہوگیا"، "اللہ تعالیٰ عرش کے سامنے نور کے ایک ستون ہیں"۔ مشہور مستند احادیث قدسیہ میں "اہل جنت میں سے ایک شخص اپنے رب سے کاشتکاری کی اجازت طلب کرے گا"، "میں آخری دوزخی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا"، "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم:

احادیث قدسیہ کی استنادی حیثیت

محدثین کے ہاں "الأحاديث الإلهية" کی اصطلاح سب سے پہلے ابو القاسم علی بن بلبان المقدسی (المتوفی:684ھ) نے اپنی کتاب کے عنوان (المقاصد السنیہ فی الأحادیث الالھیہ) میں استعمال کیا[1]۔ محدثین ہی میں ان کے بعد "الحدیث القدسی" کی اصطلاح کو تقي الدين أبو الفتح محمد القشيري، المعروف بابن دقیق العید (المتوفی:702ھجری) نے استعمال کیا[2]۔ پھر محدثین ہی میں ان کے بعد "الأحاديث الإلهية" کی اصطلاح کو ابن حجر العسقلانيؒ (المتوفی:852ھجری) نے استعمال کیا[3]۔ یہی وجہ ہے کہ 1000 ہجری تک احادیث قدسیہ پر جو کام ہوا وہ ابتدائی درجہ کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دورانیہ (1000 ہجری تک) میں مرتب ہونے والے مجموعہ جات میں 100 سے 200 تک احادیث قدسیہ موجود ہیں۔ مزید یہ کہ ان حضرات کے ہاں احادیث قدسیہ کی کل تعداد اور مستند روایات کی تعداد کے بارے میں کلام بھی نہیں ملتا۔ جیسے کہ شیخ محی الدین بن العربی (المتوفیٰ:638ھ) کی کتاب "مشکوٰۃ الأنوار فیما روی عن اللہ سبحانہ من الاخبار" میں 101 حدیث قدسی موجود ہیں۔ ابی القاسم علی بن بلبان المقدسی (المتوفی:684ھ) کی کتاب "المقاصد السنیۃ فی الأحادیث الإلٰھیۃ" میں 100 حدیث قدسی موجود ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی (المتوفیٰ:۹۱۱ھ) کی کتاب "جمع الجوامع" میں 133 حدیث قدسی موجود ہیں۔ پھر بعد کے حضرات نے احادیث قدسیہ پر مزید کام کیا۔

سب سے زیادہ تعداد میں احادیثِ قدسیہ کو محمد خلیل الرحمٰن برہان پوری صاحب نے جمع کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب میں 1268 حدیث قدسی جمع کی ہیں۔ مگر مؤلف نے حدیث کی صحت پر کوئی حکم نہیں لگایا ہے اور اس کتاب میں مستند ،ضعیف اور موضوع تمام قسم کی احادیث موجود ہیں ۔اسکے بعد عصام الدین الصبابطی صاحب کی کتاب "جامع الاحادیث القدسیہ" میں 1150 حدیث قدسی موجود ہیں، مؤلف نے حدیث کی صحت پر حکم بھی لگایا ہے اور اس

---

[1] بلبان، ابو القاسم علی بن المقدسی، المقاصد السنیہ فی الاحادیث الالھیہ (سعودیہ، مکتبہ دار التراث، 1647ء)

[2] ابن دقیق العید، تقي الدين أبو الفتح، شرح الأربعين النبويہ في الأحاديث الصحيحۃ النبويہ (افریقا، مؤسسۃ الريان، 1424ھ) 1/88

[3] ابن حجر، أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني، النكت على كتاب ابن الصلاح (المدينۃ المنورة، عمادة البحث العلمي بالجامعۃ الإسلاميۃ، 1984ء) 2/539

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب میں مستند، ضعیف اور موضوع تمام قسم کی احادیث موجود ہیں۔ گویا کہ احادیث قدسیہ کی کل تعداد کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔

احادیثِ قدسیہ کی مستند روایات

۱) ابو القاسم علی بن بلبان المقدسی (المتوفی:684ھ) نے اپنی کتاب "المقاصد السنیۃ فی الأحادیث الالٰہیۃ" میں 100 مستند احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔

۲) امام جلال الدین سیوطی (المتوفیٰ:911ھ) نے اپنی کتاب "جمع الجوامع" میں 133 مستند احادیث قدسیہ جمع کی ہیں

۳) ملا علی قاریؒ (المتوفیٰ:1014ھ) نے اپنے رسالہ "الأحادیث القدسیۃ الأربعینۃ" میں 40 مستند احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔

۴) البکری مستند احادیث قدسیہ کی تعداد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

قَالَ الْإِمَامُ ابْنُ حَجَر الْهَيْتَمِي : اِنَّ مَجْمُوْعَ الْاَحَادِيْثِ الْقُدْسِيَّةِ الْمَرْوِيَّةِ يَتَجَاوَزُ الْمِائَةَ [1]

(امام ابن حجر الھیثمیؒ نے فرمایا: احادیث قدسیہ مرویہ کا مجموعہ 100 سے متجاوز ہے)

۵) مصطفی بن عدوی نے اپنی کتاب (الصحیح المسند من الأحادیث القدسیۃ) میں 185 مستند احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔ یہ کتاب 1989ء میں دار الصحابہؓ للتراث قاہرہ، مصر سے شائع ہوئی ہے۔[2]

۶) دکتور عمر علی عبد اللہ محمد مستند احادیث قدسیہ کی تعداد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

اَلصَّحِيْحُ وَالْحَسَنُ مِنْهَا اثْنَانِ وَثَلَاثُمِائَةٍ (احادیث قدسیہ کی کل تعداد میں سے صحیح اور حسن کی تعداد 302 ہے۔[3]

۷) عصام الدین صبابطیؒ نے اپنی کتاب (الأحادیث القدسیۃ) میں کل 1150 حدیث قدسی جمع کی ہیں اور سند پر حکم بھی بیان کیا ہے۔ مؤلف نے اپنی کتاب میں احادیث پر صحیح، حسن، حسن لغیرہ، صحیح لغیرہ، ضعیف اور موضوع کے

---

[1] البکري، محمد علي بن محمد علان بن الشافعي (المتوفی:1057ھ)، الفتوحات الربانیة علی الأذکار النواویة (مصر، جمعیة النشر والتألیف الأزهریة، بدون سنة النشر) 389/7

[2] عدوی، أبو عبد اللہ مصطفی، الصحیح المسند من الأحادیث القدسیة (مصر، دار الصحابہؓ للتراث قاہرہ، 1989ء) 292/1

[3] دکتور عمر، علی عبد اللہ محمد، الاحادیث القدسیہ ــ جمعًا ودراسة (سعودیہ ورب، مکتبة العلوم والحِکم، 1425ھ) 728

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احکام لگائے ہیں، تاہم تمام روایات کو موضوع کی مناسبت سے (مختلف مقامات پر) تحریر کیا ہے اور کتاب ھذا میں تمام مستند احادیث قدسیہ کی تعداد 553 ہے۔[1]

۸) عبد القادر عرفان العشا حسونہؒ نے اپنی کتاب "الأحاديث القدسية مع شرحها وما صح من أحاديث الملائكة الكرام والجان" میں 446 مستند احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔

۹) شیخ زکریا عمیراتؒ نے اپنی کتاب "الأحاديث القدسية الصحيحة" میں 663 مستند احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔[2]

۱۰) طحانؒ مستند احادیث قدسیہ کی تعداد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

وَالْاَحَادِيْثُ الْقُدْسِيَّةُ لَيْسَتْ بِكَثِيْرَةٍ بِالنِّسْبَةِ لِعَدَدِ الْاَحَادِيْثِ النَّبَوِيَّةِ. وَعَدَدُهَا حَوَالَي مِائَتَيْ حَدِيْثٍ۔[3]

(احادیث نبویہ کی نسبت، احادیث قدسیہ کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور احادیث قدسیہ کی تعداد 200 کے قریب ہے)

۱۱) شیخ محمد عوامہؒ نے اپنی کتاب "من صحاح الأحاديث القدسية" میں 100 مستند احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔ یہ کتاب 2019ء میں دار المنهاج للنشر والتوزیع جدہ، سعودیہ عرب سے شائع ہوئی ہے۔

گویا کہ مندرجہ بالا نکات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محدثین اور مؤلفین کتب احادیث قدسیہ کی اکثریت نے جن روایات کو مستند قرار دیا ہے، ان روایات کی تعداد 100 سے 200 کے درمیان ہے اور ان مؤلفین میں ابن عربیؒ، ابو القاسم، امام سیوطیؒ، ملا علی قاریؒ، محمد علان، مصطفی بن العدوی شامل ہیں۔ البتہ عصام الدین الصبابطیؒ نے اپنی کتاب الاحادیث القدسیہ میں 553 مستند روایات جمع کی ہیں۔ ذیل میں چند مستند روایاتِ حدیث نقل کی جاتی ہیں:

مثال: 1 ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَوْمًا يُحَدِّثُ، وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ البَادِيَةِ: "أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ، فَقَالَ لَهُ: أَلَسْتَ فِيمَا شِئْتَ؟ قَالَ: بَلَى، وَلَكِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَزْرَعَ، قَالَ: فَبَذَرَ، فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهُ وَاسْتِوَاؤُهُ وَاسْتِحْصَادُهُ، فَكَانَ أَمْثَالَ الجِبَالِ، فَيَقُولُ اللَّهُ: دُونَكَ يَا ابْنَ آدَمَ، فَإِنَّهُ لاَ يُشْبِعُكَ شَيْءٌ "، فَقَالَ الأَعْرَابِيُّ: وَاللَّهِ لاَ تَجِدُهُ إِلَّا

[1] صبابطی، ابوعبدالرحمن عصام الدین الصبابطی، جامع الأحادیث القدسیۃ (مصر، دار الریان للتراث قاہرہ، 1991ء) 3/464

[2] عمیرات، شیخ زکریا، الاحادیث القدسیۃ الصحیحۃ (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 2004ء)، 344

[3] طحان، أبو حفص محمود بن أحمد (المتوفی: 2004ء) 1/158

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قُرَشِيًّا، أَوْ أَنْصَارِيًّا، فَإِنَّهُمْ أَصْحَابُ زَرْعٍ، وَأَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِأَصْحَابِ زَرْعٍ، فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))[1]

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا تھا اور آپ یہ بیان فرمارہے تھے: ''اہل جنت میں سے ایک شخص اپنے رب سے کاشتکاری کی اجازت طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: کیا تو موجودہ حالت پر خوش نہیں ہے؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں (خوش ہوں) لیکن مجھے کھیتی باڑی سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ بیج کاشت کرے گا تو پل جھپکنے میں وہ اُگ آئے گا، فوراً سیدھا ہو جائے گا اور کاٹنے کے قابل ہو جائے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑ کی طرح انبار لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدمؑ کے بیٹے! یہ لے لے، تجھے کوئی چیز سیر نہیں کر سکتی'' یہ سن کر دیہاتی کہنے لگا: اللہ کی قسم! وہ شخص قریشی یا انصاری ہوگا کیونکہ یہی لوگ کھیتی باڑی کرنے والے ہیں، ہم تو کھیتی باڑی والے لوگ نہیں۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے)

مثال:2((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا، فَيَقُولُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، وَجَدْتُهَا مَلْأَى، فَيَقُولُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ "، قَالَ: " فَيَأْتِيهَا، فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، وَجَدْتُهَا مَلْأَى، فَيَقُولُ اللهُ لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا - أَوْ إِنَّ لَكَ عَشَرَةَ أَمْثَالِ الدُّنْيَا - "، قَالَ: " فَيَقُولُ: أَتَسْخَرُ بِي - أَوْ أَتَضْحَكُ بِي - وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟ "، قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ، قَالَ: " فَكَانَ يُقَالُ: ذَاكَ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً)) [2]

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں آخری دوزخی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا اور آخری جنتی کو بھی جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔ ایک شخص جہنم سے گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے نکلے گا، اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: جاؤ، جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ اس (جنت) کے پاس آئے گا تو خیال کرے گا کہ وہ تو بھری پڑی ہے چنانچہ وہ واپس آکر (اللہ) سے عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے اسے (جنت کو) بھرا ہوا پایا اللہ تعالیٰ پھر (اسے) فرمائے گا: جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ تمہیں دنیا اور اس سے دس گناہ زیادہ دیا جاتا ہے۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! تو میرا مذاق اڑاتا ہے، حالانکہ تو

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب المزارعۃ، باب کراء الأرض بالذھب والفضۃ (بیروت، دار طوق النجاۃ، 1422ھ) ح:2348

[2] قشیری، مسلم بن الحجاج، باب آخر أھل النار خروجا، ح:186

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شہنشاہ ہے؟" اس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اس بات پر ہنس دیے اور آپ کے اگلے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ جنت میں سب سے کم درجے والا شخص ہو گا)

مثال:3((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ صَلَّى صَلاَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ القُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ فَهِيَ خِدَاجٌ، غَيْرُ تَمَامٍ قَالَ: قُلْتُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، إِنِّي أَحْيَانًا أَكُونُ وَرَاءَ الإِمَامِ. قَالَ: يَا ابْنَ الفَارِسِيِّ، فَاقْرَأْهَا فِي نَفْسِكَ, فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: قَسَمْتُ الصَّلاَةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، فَنِصْفُهَا لِي وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ. يَقُومُ الْعَبْدُ فَيَقُولُ: {الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ} فَيَقُولُ اللَّهُ: حَمِدَنِي عَبْدِي. فَيَقُولُ {الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} فَيَقُولُ اللَّهُ: أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي. فَيَقُولُ {مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ} فَيَقُولُ: مَجَّدَنِي عَبْدِي وَهَذَا لِي، وَبَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ} وَآخِرُ السُّورَةِ لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، يَقُولُ: {اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ}))[1]

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے، وہ نماز ناقص ہے، نامکمل ہے۔ عبدالرحمن کہتے ہیں: میں نے کہا: اے ابوہریرہ! میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں؟ انہوں نے کہا: فارسی لڑکے! اسے اپنے جی میں (دل ہی دل میں) پڑھ لیا کرو، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ آدھی نماز میرے لیے ہے اور آدھی میرے بندے کے لیے، اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو مانگے۔ میرا بندہ پڑھتا ہے :(الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) تو اللہ کہتا ہے: میرے بندے نے میری حمد یعنی تعریف کی۔ بندہ کہتا ہے :(الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) تو اللہ کہتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا کی، بندہ (مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ) کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے: میرے بندے نے میری عظمت بیان کی اور یہ عظمت صرف میرے لیے ہے۔ (إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) یہ ، اور میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے۔(اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) سے لے کر سورہ کی آخری آیات تک کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ سب کچھ ملے گا جو اس نے مانگا)

محوّلہ بالا روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:

---

[1] ترمذی، محمد بن عیسی، باب: ومن سورۃ فاتحۃ الکتاب، ح:2953

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ، وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ العَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا الحَدِيثِ.وَرَوَى ابْنُ جُرَيْجٍ، وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ العَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي السَّائِبِ، مَوْلَى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا.[1]

(یہ حدیث حسن ہے۔ شعبہ، اسماعیل بن جعفر اور کئی دوسرے رواۃ نے ایسی ہی حدیث علاء بن عبد الرحمن سے، علاء نے اپنے باپ سے اور ان کے باپ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ ابن جریج اور مالک بن انس علاء بن عبد الرحمن سے علاء نے ہشام بن زہر کے آزاد کردہ غلام ابو سائب سے اور ابو سائب نے ابوہریرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی جیسی حدیث روایت کی ہے)

حاصل کلام یہ ہے کہ احادیث قدسیہ کی جو مستند روایات ہیں وہ مختلف کتبِ حدیث میں وارد ہوئی ہیں جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن النسائی، ابن ماجہ، شعب الایمان، طبرانی وغیرہ۔ البتہ ان تمام کتبِ حدیث میں سے سب سے زیادہ روایاتِ حدیث چار کتب: صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں بیان ہوئی ہیں۔

احادیثِ قدسیہ کی ضعیف روایات

عصام الدین الصبابطی کی مذکورہ بالا کتاب میں ضعیف روایات کی تعداد 481 ہے[2]۔ مؤلف حدیث کے ضعف کو بیان کرتے وقت ضعیف راوی کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

مثال:1((عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: {هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ} [الرحمن: 60] قَالَ: مَا جَزَاءُ مَنْ أَنْعَمْتُ عَلَيْهِ بِالتَّوْحِيدِ إِلَّا الْجَنَّةُ))[3]

---

[1] ترمذی، محمد بن عیسی، باب: ومن سورة فاتحة الكتاب، ح:2953

[2] صبابطی، ابوعبد الرحمن عصام الدین، 3/464

[3] بیہقی، أحمد بن الحسین الخراسانی، شعب الایمان، باب معانی المحبة، (سعودیہ، مكتبة الرشد، 2003ء) ح:425

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے (ایک مرتبہ قرآن کی یہ آیت) تلاوت فرمائی (هَلْ جَزَاءُ الاحْسانِ اَلّا الاحْسانَ) کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہے۔ اور (پھر) آپ ﷺ نے (صحابہ کرامؓ) سے فرمایا کہ: (اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ) جس شخص پر میں نے توحید کے ذریعہ انعام کیا اسکی جزا جنت کے سوا اور کیا ہو گی)

مندرجہ بالا حدیث کی سند کے بارے میں محدثین کرام کے اقوال درج ذیل ہیں:

قَالَ الْبَيْهَقِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: " تَفَرَّدَ بِهِ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْكُوفِيُّ هَذَا وَهُوَ مُنْكَرٌ"[1]

(امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ ابرہیم بن محمد الکوفی سند میں منفرد ہیں یعنی وہ اکیلے ہیں لیکن وہ منکر بھی ہیں)

"قَالَ عِصَامُ الدِّيْنِ الصَّبَابَطِي : ضَعِيْفٌ جِدًّا قُلْتُ فِي اسْنَاده (بشر بن الحسين) الاصبهاني صاحب الزبير بن عدى - قَالَ الْبُخَارِي : فِيْهِ نَظْرٌ - وَقَالَ الدَّارقُطْنِي: متروک - وقال ابوحاتم : يكذب على الزبير، وقال ابن حبان : يروى بشر بن الحسين عن الزبير نُسْخَة مُوْضُوْعَة شَبِيهًا بمائة وَّ خَمْسِيْنَ حَدِيْثًا"[2]

(عصام الدین صبابطیؒ نے فرمایا: یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔ میں (عصام الدین صبابطیؒ)، بشر بن الحسین (جو کہ زبیر بن عدی سے روایت کرتے ہیں) سے مروی اس حدیث کی اسناد کے بارے میں (درج ذیل اقوال بیان کرتا ہوں): امام بخاریؒ نے فرمایا: اس کے راوی میں نظر یعنی بہت بڑا مسئلہ ہے اور دار قطنیؒ نے فرمایہ (راوی) متروک ہے اور ابو حاتمؒ نے فرمایا وہ یعنی بشر بن حسین، زبیر کے نام سے جھوٹی حدیثیں بیان کرتا تھا۔ اور ابن حبان نے فرمایا کہ بشر بن حسین، زبیر سے روایت کرتا تھا اور زبیر کے پاس موضوع احادیث کا نسخہ تھا جس میں 150 مختلط احادیث تھیں)

گویا کہ امام بیہقیؒ نے راوی کو منفرد اور منکر قرار دیا ہے۔ الصبابطی نے اپنی کتاب "جامع الاحادیث القدسیہ" میں درج ذیل دلائل کی روشنی میں مندرجہ بالا روایت پر ضعیف جدّاً کا حکم لگایا ہے۔ ضعیف جدّاً ہونے کی وجوہات درج ذیل ہیں

[1] بیہقی، أحمد بن الحسین الخراسانی، شعب الایمان، باب معانی المحبة، (سعودیہ، مکتبة الرشد، 2003ء) ح:425

[2] الصبابطی، ابوعبدالرحمن عصام الدین، 1/60

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

امام بخاریؒ نے فِیہِ نَظرٌ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور جب امام بخاریؒ کسی سند کے متعلق فِیہِ نَظرٌ کے الفاظ استعمال فرمائے تو اس کا اس سند میں کوئی بڑا مسئلہ ہوتا ہے اور امام دار قطنیؒ نے جرح میں متروک کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں ہے اور ابو حاتمؒ نے فرمایا ہے کہ بشر بن حسین، زبیر کے نام سے جھوٹی حدیثیں بیان کرتا تھا اور ابن حبان نے فرمایا کہ بشر بن حسین، زبیر سے روایت کرتا تھا اور زبیر کے پاس موضوع احادیث کا نسخہ تھا جس میں 150 مختلط احادیث تھیں۔

مثال:2 عَنْ عَلیٍّ بْنِ ابِیْ طَالِبٍ رضي الله عنه قال قال رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلیهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰی : لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ حِصْنِیْ، فَمَنْ دَخَلَه اَمِنَ عَذَابِیْ [1]

(حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ میرا قلعہ ہے، پس جو اس (قلعہ) میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا)

مندرجہ بالا حدیث کی سند کے بارے میں اہل علم حضرات کے اقوال درج ذیل ہیں:

الصبابطیؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔ البانیؒ نے ابن عساکر کی حضرت علیؓ سے مروی اس روایت کو "ضعیف الجامع الصغیر" میں ذکر کیا ہے (ج۳/۲٦۹۹) اور ابن عراق الکنانی نے "تنزیہ الشریعہ المرفوعہ" میں اس کو ذکر کیا ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ اس میں عبد اللہ بن احمد بن عامر (راوی) ہیں اور انہوں نے "تخریج الاحیاء" میں حافظ عراقی سے نقل کیا ہے۔ حاکمؒ نے اسے "تاریخ نیسابور" میں روایت کیا ہے اور ابو نعیمؒ نے "حلیہ" میں روایت کیا ہے اور قضاعیؒ نے "مسند الشہاب" میں علی بن موسیٰ الرضی نے اپنے اجداد سے جو روایت ہے اس کو بیان کیا ہے جو کہ انتہائی ضعیف ہے۔ میں (عصام الدین صبابطی) یہ کہتا ہوں کہ امام ذہبیؒ سے میزان الاعتدال میں مروی قول ہے کہ عبد اللہ بن احمد بن عامر نے اپنے والد سے اور انہوں نے علی الرضی سے اور علی الرضی نے اپنے اجداد سے ان منسوخ، موضوع اور باطل نسخوں سے روایت کیا ہے اور وہ وضع حدیث میں ان سے اور اپنے والد سے جدا نہیں ہیں)[2]

[1] ابن عساکر، أبو القاسم علي بن الحسن، المعجم، حرف العین، ذکر من اسمه عثمان، عثمان بن علی بن محمد بن ابی بکر ابو القاسم الجرموکی الطوسی (دمشق، دار البشائر، 2000ء) 1/845

[2] صبابطی، ابو عبد الرحمن عصام الدین، 1/63

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گویا کہ مندرجہ بالا دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ بالا روایت البانیؒ، ابن عساکرؒ کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام ذھبیؒ نے فرمایا ہے کہ عبداللہ بن احمد بن عامر نے اپنے والد سے اور انہوں نے علی الرضی سے اور علی الرضی نے اپنے اجداد سے منسوخ، موضوع اور باطل نسخوں سے روایت کیا ہے اور وہ وضع حدیث میں ان سے اور اپنے والد سے جدا نہیں ہیں یعنی موضوع روایت کے بیان کرنے میں یہ سب برابر ہیں۔ لہٰذا یہ روایت شدید ضعیف ہے۔

مثال:3((عَن أَبِي هُرَيرة، عَن النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيه وَسَلَّم قَالَ: إِنَّ لِلَّه تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَمُودًا مِنْ نُورٍ بَيْنَ يَدَيِ الْعَرْشِ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَهْتَزَ ذَلِكَ الْعَمُودُ. فَيَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: اسْكُنْ. فَيَقُولُ: كَيْفَ أَسْكُنُ وَلَمْ تَغْفِرْ لِقَائِلِهَا؟ فَيَقُولُ: إِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُ فَيَسْكُنُ عِنْدَ ذَلِكَ))[1]

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تبارک و تعالٰی عرش کے سامنے نور کا ایک ستون ہے پس جب بندہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے تو وہ ستون ہلتا (کانپتا) ہے تو اللہ تبارک و تعالٰی (اس ستون سے) فرماتے ہیں کہ ٹھہر جاؤ تو وہ (ستون) کہتا ہے کہ میں کیسے ٹھہروں جبکہ آپ نے اس (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) کے کہنے والے کو نہیں بخشا تو اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ بیشک میں نے اس کو بخش دیا تو اس وقت وہ ٹھہر جاتا ہے)

البزارؒ رقمطراز ہیں کہ:

هَذَا الْحَدِيثُ لَا نَعْلَمُهُ يُرْوَى عَن النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيه وَسَلَّم إِلاَّ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ بِهَذَا الإِسْنَاد، وعَبد الله بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنُ أَبِي عَمْرٍو لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِي الْحَدِيث، وَإِنَّمَا ذَكَرْنَا هَذَا الْحَدِيثَ لِحُسْنِ كَلَامِه.[2]

(ہمارے علم میں نہیں ہے کہ ان اسناد کیساتھ اس طرز پر یہ حدیث نبی ﷺ سے روایت کی گئی ہو اور عبد اللہ بن ابراہیم بن ابی عمرو حدیث میں قوی نہیں ہے اور ہم نے یہ حدیث محض حسن کلام کیوجہ سے ذکر کی ہے)

عصام الدین صبابطیؒ نے فرمایا کہ منذریؒ نے فرمایا: بزار نے اس کو روایت کیا ہے اور وہ غریب ہے اور منذریؒ نے ان کی طرف ضعف کا اشارہ کیا ہے۔ دکتور ہراس نے کہا ہے کہ اس پر نکارت اور واضع (حدیث گھڑنے والا) ہونا ظاہر

[1] البزار، أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق، مسند البزار، مسند ابی ذر الغفاری، مسند ابی حمزۃ انس بن مالک (سعودیہ، مکتبۃ العلوم والحکم، 2009ء) ح:8065

[2] ایضًا: 8065

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ ھیثمیؒ نے اسے مجمع الزوائد میں ذکر کیا ہے (ج ۱۰ ص ۸۲) اور فرمایا کہ بزارؒ نے اسے روایت کیا ہے اور اس میں عبد اللہ بن ابراہیم بن ابی عمرو ہیں اور وہ بہت ہی ضعیف ہیں)[1]

مندرجہ بالا نکات سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ امام بزارؒ کے نزدیک اس روایت کی سند میں عبد اللہ بن ابراہیم بن ابی عمرو حدیث میں قوی نہیں ہے۔ منذریؒ نے راوی کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دکتور ہراس نے کہا ہے کہ راوی پر نکارت اور واضع یعنی حدیث کا گھڑنا ظاہر ہے۔ ھیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں اس روایت کے متعلق فرمایا کہ بزارؒ نے اسے روایت کیا ہے اور اس میں عبد اللہ بن ابراہیم بن ابی عمرو بہت ہی ضعیف راوی ہیں۔

احادیثِ قدسیہ کی موضوع روایات

موضوع روایت، جھوٹی حدیث کو کہتے ہیں۔ دانستہ طور پر جھوٹی حدیث بیان کرنا سخت گناہ ہے۔ موضوع روایاتِ حدیث کو جاننے کے لئے اہل علم حضرات نے اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں، تاکہ موضوع احادیث کے بیان سے اجتناب کیا جاسکے۔ موضوع احادیث پر لکھی گئی کتب میں سے چند درج ذیل ہیں:

1) علامہ ابن الجوزیؒ کی "الموضوعات الکبری"
2) امام سیوطیؒ کی "اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الضعیفہ"
3) ملا علی قاریؒ کی "الموضوعات الکبری" اور "المصنوع فی معرفۃ الموضوع"
4) الکنانیؒ کی "تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ"
5) الشوکانیؒ کی الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ

جہاں تک احادیث قدسیہ میں موضوع روایات کا تعلق ہے تو اس کی نشاندہی ابو عبد الرحمن عصام الدین صبابطیؒ نے اپنی کتاب "جامع الاحادیث القدسیہ" میں کیا ہے اور آپ نے اپنی کتاب میں 53 موضوع احادیث قدسیہ تحریر کی ہیں۔ عوام الناس میں بعض موضوع روایات بطور حدیث قدسی مشہور ہو گئی ہیں، جن میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

مثال: 1 اسماعیل حقیؒ، تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں کہ:

[1] صبابطی، ابو عبد الرحمن عصام الدین، 1/ 66

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یُقَالُ الْحَدِیثِ الْقُدْسِي كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِیًّا فَاحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ[1] (حدیث قدسی بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا)۔ اگرچہ اسماعیل حقیؒ نے اسے اپنی تفسیر اسے بطور حدیث قدسی بیان کیا ہے مگر ابو شھبہؒ کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے اورآپ نے موضوع روایات کے باب میں اس روایت کو بیان کیا ہے۔[2] امام ابن تیمیہؒ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ هو من الإسرائيليات، وليس له أصل معروف عن النبي صلى الله عليه وسلم[3] (یہ اسرائیلیات میں سے ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور اسے نبی اکرم ﷺ کی طرف مشہور کر دیا گیا ہے)

گویا کہ یہ حدیث عوام الناس بالخصوص صوفیاء کرام میں کافی مشہور ہے اور اسے بطور حدیث قدسی کے بیان کیا جاتا ہے حالانکہ حدیث قدسی تو درکنار یہ تو سرے سے کوئی حدیث ہی نہیں ہیں۔ مندرجہ بالا روایت موضوع (من گھڑت)ہے اسلئے کتبِ حدیث یہ روایت موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو بطور حدیث بیان کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر افتراء و کذب سے بچا جاسکے۔

مثال:2 حکیم الترمذی فرماتے ہیں کہ:

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِدَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تُرِيدُ وَ أُرِيدَ وَ يَكُونُ مَا أُرِيدُ فَإِذَا أَرَدْتَ مَا أُرِيدُ كَفَيْتُكَ مَا تُرِيدُ وَ يَكُونُ مَا أُرِيدَ وَ إِذَا أَرَدْتَ غَيْرَ مَا أُرِيدُ عَنَيْتُكَ فِيمَا تُرِيدُ وَ يَكُونُ مَا أُرِيدُ[4]

(اللہ تعالیٰ نے داوَدؑ سے فرمایا :(اے میرے بندے) ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے، اگر تو میری چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کر دے تو میں تیری چاہت میں تیری کفایت کروں گا اور ہو گا وہی جو میں چاہوں گا۔ اور اگر تو میری چاہت پر اپنی چاہت کو قربان نہ کرے تو میں تم کو تیری چاہت میں تھکا دونگا اور ہو گا وہی جو میں چاہوں گا)

مشہور محدث امام ترمذیؒ (المتوفی:279ھ)، حکیم ترمذی سے الگ شخصیت ہیں۔ حکیم ترمذی کا نام ابو عبد اللہ محمد بن علی بن الحسن ہے۔ یہ بھی تیسری صدی کے محدث ہیں، جن کا انتقال 290ھ میں ہوا۔

---

[1] الحقی، إسماعيل حقي بن مصطفى، روح البيان (بیروت، دار الفکر، بدون سنۃ النشر) 6/57

[2] أبوشُهبة، محمد بن محمد بن سويلم، الإسرائيليات والموضوعات في كتب التفسير (مصر، مكتبة السنة قاهره، بدون سنۃ النشر) 1/15

[3] أبوشُهبة، محمد بن محمد بن سويلم، 1/15

4 حکیم الترمذی، نوادر الأصول فی احادیث الرسول (بیروت، دار الجیل لبنان، 1992ء) 2/107

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عوام الناس میں یہ روایت بطور حدیث قدسی مشہور ہو گئی ہے لیکن فقہ اکیڈمی نے اسی حدیث سے متعلق اپنے فتوی میں فرمایا ہے کہ اس حدیث قدسی کی کوئی اصل وسند نہیں ہے۔[1]

لہذا یہ معلوم ہوا کہ یہ حدیث کہ تمام کتب میں یہ روایت بلا سند درج ہوئی ہے۔ لہذا اس کی کوئی اصل نہیں ہے اس لئے اس کو حدیثِ قدسی کہنا یا رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ حدیثِ قدسی تو کجا یہ حدیثِ رسول ﷺ بھی نہیں ہے۔

مثال:3((عَنْ رَافِعِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِدَاوُدَ: يَا دَاوُدُ ابْنِ لِي فِي الأَرْضِ بَيْتًا، فَبَنَى دَاوُدُ بَيْتًا لِنَفْسِهِ قَبْلَ الْبَيْتِ الَّذِي أُمِرَ بِهِ، فَأَوْحَى إِلَيْهِ يَا دَاوُدُ بَنَيْتَ بَيْتَكَ قَبْلَ بَيْتِي؟ قَالَ: أَيْ رَبِّ هَكَذَا قُلْتُ فِيمَا قَضَيْتُ: مَنْ مَلَكَ اسْتَأْثَرَ، ثُمَّ أَخَذَ فِي بِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَلَمَّا تَمَّ سُورُ الْحَائِطِ سَقَطَ، فَشَكَى ذَلِكَ إِلَى اللهِ عزوجل، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا تَصْلُحُ أَنْ تَبْنِي لِي بَيْتًا.قَالَ: أَيْ رَبِّ وَلِمَ؟ قَالَ: لِمَا جَرَى عَلَى يَدَيْكَ مِنَ الدِّمَاءِ.قَالَ: رَبِّ أَوَلَمْ يَكُنْ ذَلِكَ فِي هَوَاكَ وَمَحَبَّتِكَ؟ قَالَ: بَلَى وَلَكِنَّهُمْ عِبَادِي وَإِمَائِي أَرْحَمُهُمْ، فشق ذَلِك عيه فَقَالَ: لَا تَحْزَنْ فَإِنِّي سَأَقْضِي بِنَاءَهُ عَلَى يَدَي ابْنِكَ سُلَيْمَانَ))[2]

(رافع بن خدیج سے مرفوعًا روایت ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضرت داوٗدؑ جو اللہ کے نبی تھے ان سے فرمایا: اے داوٗدؑ! زمین میں میرا ایک گھر تعمیر کرو۔ تو داوٗدؑ نے اپنا گھر پہلے بنایا اور جس گھر کا حکم دیا گیا تھا اس کو بعد میں بنایا تو اللہ تعالٰی نے وحی بھیجی کہ اے داوٗدؑ آپ نے میرے گھر سے پہلے اپنا گھر بنالیا تو داوٗدؑ نے عرض کیا! اے میرے رب آپ نے اپنے فیصلہ میں یہی فرمایا تھا (جو با اختیار ہو جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ترجیح دیتا ہے) پھر داوٗدؑ نے مسجد بنانا شروع کی۔ جب اس مسجد کی فصیل و چہار دیواری مکمل ہو گئی تو وہ اچانک گر پڑی تو داوٗدؑ نے اللہ سے شکایت کی تو اللہ تعالٰی نے وحی بھیجی کہ اب آپ سے ممکن نہیں ہے کہ میرا گھر تعمیر کریں تو داوٗدؑ نے عرض کیا کہ اے رب العزت ایسا کیوں؟ تو اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیونکہ آپ کے ہاتھوں چند لوگوں کے خون کا فیصلہ ہوا ہے تو داوٗدؑ نے عرض کیا: اے رب کیا یہ سب کچھ آپ کی خوشنودی ورضا اور شریعت کے نفاذ میں نہیں ہوا؟ تو اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیوں نہیں، لیکن وہ سب کے سب

1 https://fiqhacademy.com.pk/yasalunak/yasalunak-fatawa/11658/ Date: 30-04-22, Time : 16:37

2 جوزیؒ، جمال الدین عبد الرحمن بن علي، الموضوعات (سعودیہ، المكتبة السلفية مدينہ منورہ، 1966ء) 1/201

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میرے ہی بندے تھے اور میرے ہی غلام تھے اور میں ان پر رحم کر دیتا۔ یہ بات داوٗدؑ پر بہت ہی باعث قلق و فکر بن گئی تو اللہ تعالٰی نے داوٗدؑ پر وحی بھیجی کہ: آپ غمگین و فکر مند نہ ہوں۔ میں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس مسجد (بیت المقدس) کی تعمیر آپ کے بیٹے سلیمانؑ کے ہاتھوں مکمل کرواؤں گا)

ابن جوزیؒ نے اس روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ ھُوَحَدِیثٌ مَوْضُوعٌ[1] (یہ موضوع حدیث ہے)۔ ابن حبانؒ نے اس روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ مُحَمَّدُ بْنُ أَيُّوبَ يَرْوِي الْمَوْضُوعَات[2] (محمد بن ایوب جھوٹی احادیث روایات کرتا ہے) امام سیوطیؒ نے اس روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ قَدْ وَافَقَ صَاحِبُ الْمِيزَانِ عَلَى أَنَّهُ مَوْضُوعٌ[3] (درحقیقت صاحب میزان الاعتدال في نقد الرجال، امام ذھبیؒ نے اس حدیث کے موضوع ہونے پر موافقت اختیار کی ہے)

گویا کہ مندرجہ بالا تینوں روایتِ حدیث عوام الناس میں بہت مشہور ہو چکی ہیں اور لوگ انہیں حدیث قدسی کے طور پر بیان کرتے ہیں عوام کیساتھ ساتھ بعض خواص بھی اسے منبر و محراب سے بطور حدیث قدسی بیان کرتے ہیں حالانکہ حدیث قدسی تو درکنار یہ تو سرے سے کوئی حدیث ہی بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جب تک ان کی صحیح سند کا ادراک نہ ہو جائے تو یہ لازم ہے کہ ان کو بطور حدیث بیان کرنے سے گریز کیا جائے، تاکہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر افتراء و کذب سے بچا جا سکے۔

تجزیہ و تلخیص

بنیادی طور پر حدیث کی دو اقسام ہیں ایک حدیث رسول اور دوسری حدیث قدسی۔ حدیث رسول میں الفاظ اور بات دونوں ہی نبی اکرم ﷺ کے ہوتے ہیں جبکہ حدیث قدسی میں الفاظ تو نبی اکرم ﷺ کے ہوتے ہیں مگر بات اللہ سبحانہ وتعالٰی کی ہوتی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں لفظ حدیث بات کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اصول حدیث کی کتب میں حدیث قدسی کے لئے چار اور اصطلاحات بھی استعمال ہوئی ہیں جو کہ یہ ہیں: الحدیث الالھی، الحدیث

---

[1] جوزی، جمال الدین عبد الرحمن بن علي، 1/ 201

[2] ایضًا

[3] سیوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين، اللآلیء المصنوعة في الأحاديث الموضوعة (بیروت، دار الکتب العلمیة، 1996ء) 1/ 156

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الربانی، الاحادیث الالھیہ، الاحادیث الربانیہ۔ کتب اصولِ حدیث میں سب سے پہلے استعمال ہونے والی اصطلاح "الأحادیث الإلھیۃ" ہے۔

قرآن اور حدیث قدسی میں کئی اعتبارات سے فرق ہے جن میں سے پہلا فرق یہ ہے کہ قرآن معجزہ ہے اور حدیثِ قدسی کا معجزہ ہونا لازم نہیں ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ نماز میں قرآن کی تلاوت لازم ہے جبکہ نماز میں حدیث قدسی کو بطور قرات نہیں پڑھا جاسکتا۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ قرآن کے انکار کرنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے جبکہ حدیثِ قدسی کے انکار کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے۔

چوتھا فرق یہ ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں مگر حدیث قدسی کے الفاظ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہیں۔ پانچواں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید میں ضعیف اور موضوع ہونے کا مسئلہ نہیں ہے جبکہ احادیث قدسیہ میں ضعیف اور موضوع کا مسئلہ بھی ہے۔ چھٹا فرق یہ ہے کہ قرآن مجید آیات، رکوع، سورتوں، پاروں اور منزلوں میں منقسم ہے جبکہ احادیث قدسیہ میں ایسی تقسیم نہیں ہے۔

ساتواں فرق یہ کہ قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے تعوذ اور تسمیہ پڑھنا لازم ہے جبکہ احادیث قدسیہ کے لئے تعوذ نہیں پڑھا جاتا، البتہ تسمیہ سے احادیث قدسیہ کے پڑھنے کا آغاز کرنا بہتر ہے۔ آٹھواں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر سورۃ کا ایک مخصوص نام ہے جبکہ احادیث قدسیہ کیساتھ ایسا معاملہ نہیں ہے۔ نوّاں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید میں رموز او قاف ہوتے ہیں جبکہ احادیث قدسیہ میں رموز او قاف نہیں ہوتے ہیں۔

حدیث قدسی کو روایت کرنے کے کئی طریقے ہیں جو کہ مذکورہ فصل میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح احادیث قدسیہ میں ہمیں عقائد، ایمانیات، عظمت الٰہی، عظمت رسول ﷺ، مغفرت، جنت، جہنم، انبیاء و رسل، شفاعت رسول، مرض، ملاقات، نعمت، نماز، انفاق، روزہ اور حج سے متعلق موضوعات ملتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

احادیث قدسیہ سے ماخوذ سماجی آداب

فصل اول: سماجی آداب سے متعلق مستند احادیث قدسیہ

فصل دوم: احادیث قدسیہ سے ماخوذ سماجی آداب کا توضیحی مطالعہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل اول:

سماجی آداب کا تعارفی مطالعہ

احادیث قدسیہ میں مختلف طرح کے مضامین بیان ہوئے ہیں جیسے سماجی آداب، عقائد، ایمانیات، عظمت الٰہی، عظمت رسول ﷺ، رحمت، مغفرت، جنت، جہنم، انبیاء و رسل، شفاعت، امت محمدیہ ﷺ کی فضیلت، اولیاء و صالحین کا مرتبہ، شہداء کا مرتبہ، جہاد کی فضیلت، اعمال صالحہ کی فضیلت، زکوۃ، منافقت، دعا، موت، مرض، ملاقات، نعمت، نماز، انفاق، روزہ، حج وغیرہ۔

مزید یہ کہ احادیث قدسیہ میں مختلف سماجی آداب بھی بیان ہوئے ہیں جیسے ایفائے عہد، آزاد شخص کو نہ بیچنا، مزدور سے کام لینے کے بعد پوری اور وقت پر اجرت دینا، اخلاق حسنہ، باہمی ملاقات، صبر، دشمنی کرنے پر وعید، زمانہ کو برا کہنے کی ممانعت، حسن ظن، نرمی، باہمی محبت، غرباء اور مساکین پر مال خرچ کرنا، ظلم سے اجتناب، دست سوال دراز کرنے اجتناب، عیادت مریض، فاقہ کش کو کھانا کھلانا، پیاسوں کا پانی پلانا، کسی کی وفات پر اطمینان اور حوصلہ افزا کلمات کہنے کی تعلیم، نرمی کا بیان اور تکبر سے اجتناب۔

جو معاشرہ بھی سماجی آداب سے آراستہ ہو جائے تو وہ خوشگوار اور خوشنما ہو جاتا ہے اور جو معاشرہ سماجی آداب سے محروم ہو جائے تو وہ بہت سی خیر سے محروم ہو جاتا ہے اور اخلاقی تنزلی کا شکار ہو جاتا ہے۔ سماج کی اصلاح کے لئے یہ ضروری ہے کہ سماج میں رہنے والے افراد کے اندر اعلیٰ اخلاقی اقدار پروان چڑھیں۔ سماج کے افراد اخلاق حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔ سماج کے افراد آپس میں ایک دوسرے کیساتھ نرمی، محبت و اخوت کا مظاہرہ کریں۔ وعدہ خلافی سے گریز کریں۔ اجیر کی اجرت پوری دیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے باعث پیش آمدہ مصائب، غم و آلام پر صبر جمیل کا مظاہرہ کریں۔ آپس میں ایک دوسرے کیساتھ حسن ظن رکھیں۔ غرباء اور مساکین کی مالی امداد کریں۔ دست سوال دراز کرنے کے بجائے عوام کو انفاق کی جانب راغب کیا جائے۔ بیماروں کی عیادت کی جائے۔ فاقہ کشوں کو کھانا کھلایا جائے۔ کسی کے وصال پر اسے تسلی و اطمینان کے کلمات کے ذریعہ سے دلاسہ دیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سماجی آداب سے متعلق مستند احادیث قدسیہ

احادیث قدسیہ میں مختلف موضوعات بیان ہوئے ہیں جن میں سماجی آداب بھی داخل ہے۔احادیثِ قدسیہ کی اکثر روایات توحید وآخرت سے متعلق ہیں۔سماجی آداب سے متعلق بہت ہی قلیل احادیثِ قدسیہ ہیں۔سماجی آداب کی جو مستند روایات احادیث قدسیہ پر مشتمل ہیں وہ ذیل میں بیان کی جارہی ہیں۔

1. **ایفائے عہد:** ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: قَالَ اللَّهُ: ثَلاَثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ))[1]

(حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: میں قیامت کے دن تین آدمیوں کا مدعی ہوں گا: ایک وہ جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر بے وفائی کی، دوسرا وہ جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ جس نے کسی مزدور سے پورا کام لیا لیکن اس کی اجرت نہ دی۔)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث شمار 2270، مسند احمد حنبل کی حدیث شمار8692، سنن ابن ماجہ کی حدیث شمار2442، مسند ابی یعلٰی کی حدیث شمار 6571، صحیح ابن حبان کی حدیث شمار7339، السنن الکبریٰ للبیہقی کی حدیث شمار11053 اور شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار2186اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

مندرجہ بالاحدیث کی شرح میں قسطلانیؒ، ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ:

"قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (ثَلَاثَةٌ) أَيْ مِنْ النَّاسِ (أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَة رَجُلٌ أَعْطَى بِي) أَيْ أَعْطَى الْعَهْدَ بِاسْمِي وَالْيَمِينَ بِي وَذَكَرَ الثَّلَاثَة لَيْسَ لِلتَّخْصِيصِ لِأَنَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى خَصْمٌ لِجَمِيعِ الظَّالِمِينَ وَلَكِنَّهُ أَرَادَ التَّشْدِيدَ عَلَى هَؤُلَاءِ الثَّلَاثَة وَالْخَصْمُ يَقَعُ عَلَى الْوَاحِدِ فَمَا فَوْقَهُ وَالْمُذَكَّرُ وَالْمُؤَنَّثُ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ

1 البخاری، صحیح بخاری، باب اثم من باع حرا، ح:2227

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ثُمَّ غَدَرَ) نَقَضَ الْعَهْدَ الَّذِي عَلَيْهِ وَلَمْ يَفِ بِهِ (وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا) عَالِمًا مُتَعَمِّدًا (فَأَكَلَ ثَمَنَهُ) وَخَصَّ الْأَكْلَ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُ أَعْظَمُ مَقْصُودٌ"[1]

(اللہ عزوجل نے فرمایا کہ میں تین لوگوں میں سے ایک فریق ہونگا۔ ایک آدمی جس نے میرے نام پر کسی کو کوئی چیز دی یعنی میرا نام لیکر وعدہ کیا اور میری قسم کھائی۔ تین کے عدد کا ذکر کرنے میں تخصیص نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام ظالموں کے مقابلے میں مدعی ہے لیکن یہاں تین کے عدد سے تاکید وارد ہوئی ہے اور مدعی اس ایک کے مقابلہ میں ہے (خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو) پھر وہ دھوکہ دے اور وہ اس وعدہ کو توڑ دے جس کا پورا کرنا اس پر لازم تھا لیکن اس نے اس وعدہ کا ایفاء نہ کیا، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے مقابلہ میں مدعی ہے۔ اور ایک ایسا شخص جس نے جان بوجھ کر (جانتے ہوئے) ایک آزاد شخص کو بیچ کر اس کی قیمت کھالی، یہاں بالخصوص مرد کو بیچ کر اس کی کمائی کے کھانے کا ذکر ہے کیونکہ زیادہ مقصود یہی ہوتا ہے (یعنی زیادہ تر مرد غلام کو ہی بیچا جاتا ہے)۔

گویا کہ اللہ کا نام لے کر وعدہ خلافی کرنا، آزاد شخص کو غلام بنا کر بیچنا اور مزدور سے کام لینے کے بعد اجرت نہ دینا قابل مذمت عوامل ہیں۔ مذکورہ تینوں کاموں کا تعلق سماجی آداب کیساتھ گہرا ہے۔ وعدہ خلافی ایک اخلاقی جرم ہے اور گناہ کا کام ہے۔ جب ایک شخص کسی دوسرے شخص سے وعدہ کرتا ہے تو جس شخص سے وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ اس کام پر پُرامید ہو جاتا ہے جس کام کے لئے وعدہ کیا گیا ہوتا ہے۔ لیکن جب وعدہ کرنے والا شخص وعدہ توڑ دیتا ہے تو جس سے وعدہ کیا گیا ہوتا ہے تو وعدہ خلافی کے ذریعہ اس کا مالی نقصان بھی ہوتا ہے اور اسکے وقت کا ضیاع بھی ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ وعدہ خلافی کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان سماجی تعلقات بھی خراب ہوتے ہیں اور انکے دل آپس میں پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اور نفرت و کدورت کیوجہ سے ان کے مابین دوری پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن و سنت بھی ہمیں وعدہ خلافی کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا[2] (اور تم وعدہ کو پورا کرو بیشک وعدہ کے بارے میں سوال کیا جائیگا)۔ لہٰذا ہمیں وعدہ خلافی جیسے اخلاقی جرم سے اجتناب کرنا چاہیے جو کہ اللہ کی نافرمانی کیساتھ ساتھ مخلوق خدا کی ایذارسانی کا ذریعہ بھی ہے۔

اسی طرح آزاد شخص کو غلام بنا کر بیچنے کا ذکر ہے۔ دیگر احادیث میں بھی آزاد شخص کو بیچنے کی ممانعت کا بیان آیا ہے۔ غلام بنانا بھی صریح ظلم ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے آزاد شخص کو دھوکہ اور فریب سے بیچ دے تو یہ گناہ کا

---

[1] قسطلانی، أحمد بن محمد بن أبي بكر، ارشاد الساري لشرح صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب أمر النبي صلى الله عليه وسلم اليهود ببيع أرضيهم (مصر، المطبعة الكبرى الأميرية، 1323ھ) 4/108

[2] بنی اسرائیل: 34

www.KitaboSunnat.com

کام ہے اور اس سے مسلمانوں کے درمیان سماجی تعلقات بھی خراب ہوتے ہیں۔لہذا اس عمل سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

مزید یہ کہ مزدور سے کام لینے کے بعد اجرت نہ دینے کی مذمت کا بیان آیا ہے۔دیگر احادیث میں بھی مزدور سے کام لینے کے بعد اجرت نہ دینے کی مذمت بیان ہوئی ہے۔مزدور، معاشرے کا سب سے کمزور ترین طبقہ ہوتا ہے اور ان کا گزر اوقات روزانہ کی کمائی پر ہوتا ہے کبھی انہیں مزدوری ملتی ہے اور کبھی مزدوری نہیں ملتی ہے اور جب انہیں مزدوری ملے تو اسوقت اگر کوئی انہیں انکی مزدوری پوری نہ دے یہ بالکل ہی نہ دے تو پھر یہ بہت بڑا ظلم ہے۔معاشرے میں جب کسی کمزور طبقہ جیسے کہ مزدور طبقہ کو اگر انکے حقوق نہ دیئے جائیں اور انہیں انکی اجرت پوری نہ دی جائے یا تاخیر سے دی جائے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس سے معاشرے میں مزدور طبقہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔لہذا اس روش سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے اور مزدوروں کو انکی اجرت اور دیگر حقوق کامل طور پر دینے کی ضرورت ہے۔

2. **صبر:** ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ قَالَ: إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي بِحَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ، عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الجَنَّةَ، يُرِيدُ: عَيْنَيْهِ))[1]

(حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جب میں اپنے بندے کی دو محبوب چیزوں سے آزمائش کرتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے تو اس کے عوض میں اسے جنت عطا کرتا ہوں۔دو محبوب چیزوں سے مراد اس کی دو آنکھیں ہیں)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث شمار 6424، مسند احمد حنبل کی حدیث شمار 9393، شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار 1547، سنن ابن ماجہ کی حدیث شمار 1597 اور مسند الشامیین للطبرانی کی حدیث شمار 2277 اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

اس روایت کے مضامین کی شرح میں ابن بطالؒ لکھتے ہیں:

"هَذَا الْحَدِيثُ أَيْضًا حُجَّةٌ فِى أَنَّ الصَّبْرَ عَلَى الْبَلَاءِ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَنِعْمَةُ الْبَصَرِ عَلَى الْعَبْدِ وَإِنْ كَانَتْ مِنْ أَجْلِ اللَّه تَعَالَى فعَوَّضَ اللَّهُ عَلَيْهَا الْجَنَّةَ أَفْضَلُ مِنْ نِعْمَتِهَا فِى الدُّنْيَا لِنَفَاذ مُدَّة الالْتذَاذ بِالْبَصَرِ فِى الدُّنْيَا وبَقَاءِ مُدَّة الالْتذَاذ بِه فِى الْجَنَّة. فَمَنِ ابْتَلَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بِذَهَابِ بَصَرِه فِى الدُّنْيَا فَلَمْ يَفْعَلْ ذَلكَ

[1] بخاری، صحیح بخاری، باب فضل من ذهب بصره، ح:5653

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

به لسَخَط منْهُ عَلَيْه، وَإِنَّمَا أَرَادَ تَعَالَى الْإِحْسَانَ إِلَيْه إِمَّا بدَفْع مَكْرُوه عَنْهُ يَكُونُ سَبَبُهُ نَظَرَ عَيْنَيْه لَا صَبْرَ لَهُ عَلَى عقَابِه فِي الْآخرَة أَوْ ليُكَفِّرَ عَنْهُ ذُنُوبًا سَلَفَتْ لَا يُكَفِّرُهَا عَنْهُ إِلَّا بِأَخْذ أَعْظَمِ جَوَارِحِه فِي الدُّنْيَا لِيَلْقَى رَبَّهُ طَاهِرًا مِنْ ذُنُوبِه أَوْ لِيَبْلُغَ بِه مِنَ الْأَجْرِ إِلَى دَرَجَةٍ لَمْ يَكُنْ يَبْلُغُهَا بِعَمَلِه وَكَذَلِكَ جَمِيعُ أَنْوَاعِ الْبَلَاءِ"[1]

(یہ حدیث بھی اس بارے میں حجت ہے کہ تکالیف پر صبر کا بدلہ جنت ہے۔اور بندے پر دیکھنے (آنکھ) کی نعمت کے بعد اگر اللہ اس سے وہ نعمت لے لیں (اور وہ اس پر صبر بھی کرے) تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض جنت عطا فرمائینگے اور یہ جنت کی نعمت دنیا کی نعمت سے افضل ہے کیونکہ دنیا میں جتنی مدت اس نے دیکھنے کی لذت میں گزاری ہے اس کے مقابلہ میں جتنی مدت وہ جنت میں لذت حاصل کریگا۔دنیا میں جو شخص بینائی کے جانے کیوجہ سے آزمایا گیا تو اس نے اس پر غصہ کا اظہار نہیں کیا۔بیشک اللہ تعالیٰ نے تو اس پر احسان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس سے آخرت کی سزا کو روک لے گا یا اس کے گناہ دور کردے (مٹادے) جو اس نے ماضی میں کئے تھے یا یہ کہ اللہ اس کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے اس کے جسم کا کوئی بڑا عضو دنیا میں لے لے یا یہ کہ اللہ اس سے کوئی عضو لیکر اسے جنت میں اس مقام پر پہنچادے جس مقام پر وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا۔بقیہ تمام آزمائشوں کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔)

گویا کسی آزمائش پر بے صبری کرنا اور واویلا مچانا، سماجی آداب کے خلاف ہے۔قرآن واحادیث میں صبر کی تلقین کثرت سے آئی ہے۔یہ دنیا کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہے۔اس دنیا میں آزمائش لازماً آکر رہتی ہے۔دنیا غم و آلام اور مصائب وپریشانیوں سے بھری پڑی ہے،البتہ ہر شخص کی آزمائش کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بیماری سے آزماتے ہیں، کسی کو اولاد کی محرومی سے سے آزماتے ہیں، کسی کو مالی تنگی سے آزماتے ہیں، کسی کو غموں کی کثرت سے آزماتے ہیں۔غرضیکہ مصائب ہر شخص پر آکر رہتے ہیں، کسی پر مصائب، غم و آلام کم آتے ہیں اور کسی پر زیادہ آتے ہیں۔دنیا کی خوشی، غمی، مصائب، پریشانیاں، غم و آلام دائمی نہیں ہوتے ہیں۔مصائب و آلام کے دور میں بندہ مومن سے مطلوب یہ ہے کہ وہ صبر کا دامن تھام کر رکھے اور بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے، کیونکہ بے صبری کرنا سماجی آداب کے خلاف ہے۔معاشرے میں مصائب و آلام پر واویلا مچانا اور بے صبری پر مبنی کلمات کا ادا کرنا سماجی آداب کے بر خلاف ہے۔

1 ابن بطال، أبو الحسن علي بن خلف، شرح صحیح البخاری، کتاب المرضی، باب: فضل من ذھب بصرہ (السعودیۃ، مکتبۃ الرشد الریاض، 2003ء) 9/377

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

3. **دشمنی سے اجتناب اور محبت کی ترغیب:** ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ المُؤْمِنِ، يَكْرَهُ المَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ))[1]

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں کے ذریعے سے میرا اقرب حاصل کرتا ہے ان میں سے کوئی عبادت مجھے اتنی پسند نہیں جس قدر وہ عبادت پسند ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے بھی مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے دیتا ہوں۔ میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جس کو میں کرنے والا ہوتا ہوں، جو مجھے مومن کی جان نکالتے وقت ہوتا ہے، وہ موت کی بوجہ تکلیف پسند نہیں کرتا اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا ہے)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ صحیح ابن حبان کی حدیث شمار 347، السنن الکبریٰ للبیہقی کی حدیث شمار 6395، شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار 1247 اور معجم ابن عساکر کی حدیث شمار 1438 اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

علامہ قسطلانیؒ نے اس حدیث کی شرح یوں فرمائی ہے کہ:

"إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ (قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا) فَعِيلًا بِمَعْنَى مَفْعُول وَهُوَ مَنْ يَتَوَلَّى اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَمْرَهُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: {وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ [الْأَعْرَاف: 196]} وَلَا يَأْكُلُهُ إِلَى نَفْسِه لَحْظَةً بَلْ يَتَوَلَّى الْحَقُّ رِعَايَتَه أَوْ هُوَ فَعِيلٌ مُبَالَغَة مِنَ الْفَاعِلِ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَلَّى عِبَادَةَ اللَّه وَطَاعَتَه فَعِبَادَاتُه تَجْرِي عَلَى التَّوَالِي مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَخَلَّلَهَا عِصْيَانٌ، وَكِلَا الْوَصْفَيْنِ وَاجِبٌ حَتَّى يَكُونَ الْوَلِيُّ وَلِيًّا بِحَسَبِ قِيَامِه

[1] بخاری، صحیح بخاری، باب التواضع، حدیث: 6502

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِحُقُوقِ اللَّهِ عَلَى الاسْتِقْصَاءِ وَالاسْتِبْقَاءِ وَدَوَامِ حِفْظِ اللَّهِ إِيَّاهُ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ، وَمِنْ شَرْطِ الْوَلِيِّ أَنْ يَكُونَ مَحْفُوظًا كَمَا أَنَّ مِنْ شَرْطِ النَّبِيِّ أَنْ يَكُونَ مَعْصُومًا فَكُلُّ مَنْ كَانَ لِلشَّرْعِ عَلَيْهِ اعْتِرَاضٌ فَهُوَ مَغْرُورٌ مُخَادِعٌ."[1]

(بیشک اللہ عزوجل نے فرمایا: جس نے میرے ولی سے دشمنی اختیار کی۔ وَلِیًّا بروزن فَعِیلًا ہے لیکن یہاں یہ بمعنی مفعول استعمال ہوا ہے اور یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ سبحانہ وتعالٰی نے اپنا دوست بنالیا ہو اور اسکے کام کا ذمہ لے لیا ہو۔ ارشاد باری تعالٰی ہے: اور وہ نیک لوگوں کو دوست بناتا ہے (اعراف:196) اور وہ انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی انکے نفس کے حوالے نہیں کرتا ہے بلکہ وہ حق کو دوست رکھتا ہے اسکی رعایت رکھتے ہوئے اور فَاعِلٌ کی نسبت فَعِیلُ میں مبالغہ ہے اور وہی ہے جو اللہ کی عبادت، اطاعت کو پسند کرتا ہے۔ پس اسکی عبادات محبت و دستی پر چلتی ہیں اور وہ عصیان سے خالی ہوتی ہیں اور یہ دونوں وصف واجب ہیں یہاں تک کہ وہ مراقبہ اور دوام کے ذریعہ اللہ کے حقوق کے ضمن میں قیام کے ذریعہ سے ولی بن جائے اور سختی و تنگی میں صرف اللہ کے احکام کی دائمی حفاظت کرتے ہیں۔ اور ولی کی شرائط میں سے ہے کہ وہ محفوظ ہو جیسے نبی ہونے کے لئے شرط ہوتی ہے کہ نبی معصوم ہو پس ہر وہ شخص جس پر شریعت بطور اعتراض ہو تو وہ شخص خود بھی دھوکہ میں ہے اور وہ دوسروں کو بھی دھوکہ دینے والا ہے)

قرآن و سنت میں اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ اہل ایمان کی آپس میں ایک دوسرے کیساتھ محبت و الفت ہونی چاہیے تاکہ اہل ایمان کی قوت مضبوط ہو اور وہ کفار کے اوپر بھاری ہوں اور اہل کفر، ایمان والوں سے خوف محسوس کریں۔ لیکن اگر اہل ایمان کی آپس میں ایک دوسرے سے کسی بھی وجہ سے دشمنی ہو تو ایسی صورت میں مسلمان کمزور ہو جائینگے۔ اہل ایمان کی آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن اگر دشمنی کی وجہ دینداری کا ہونا ہے یا مولوی ہونا ہے تو یہ بہت ہی خطرناک بات ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ کے ولی سے دشمنی کرے تو یہ بہت ہی خطرناک اور المناک امر ہے کیونکہ ولی اللہ کا دوست ہوتا ہے اور وہ اللہ کے قریب ہوتا ہے اسی لئے مندرجہ بالا حدیث میں اللہ کے ولی سے دشمنی کرنے پر اللہ کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا گیا ہے۔ انسان کی کیا اوقات کہ وہ اللہ تعالٰی سے دشمنی مول لے سکے یا وہ اللہ سے جنگ کر سکے۔ لہٰذا اللہ کے ولی سے دشمنی کرنا، نہ صرف اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنے والی بات ہے بلکہ یہ بہت بڑی حماقت بھی ہے۔ مزید یہ کہ اہل ایمان کی باہمی دشمنی بھی سماجی آداب کے خلاف ہے اور اہل ایمان کی باہمی محبت کو ختم کرنے والی شے ہے۔

[1] قسطلانی، أحمد بن محمد بن أبی بکر، باب التواضع، 289/9

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

4. **بداخلاقی سے اجتناب:** ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ)) [1]

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے۔ وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ میرے ہی ہاتھ میں تمام معاملات ہیں۔ رات اور دن کو میں ہی پھیرتا ہوں)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ احادیث بھی ہیں، جیساکہ صحیح بخاری کی حدیث شمار 6181، 7491، صحیح مسلم کی حدیث شمار 2246، سنن ابی داوٗد کی حدیث شمار 5274، مسند احمد حنبل کی حدیث شمار 7245، سنن النسائی کی حدیث شمار 11423، صحیح ابن حبان کی حدیث شمار 5715، السنن الکبریٰ للبیہقی کی حدیث شمار 6493 اور شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار 3388 اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

ابن جوزیؒ، اس حدیث کی شرح میں بیان کرتے ہیں کہ:

"كَانَت الْعَرَبُ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ يَسُبُّونَ الدَّهْرَ، وَيَقُولُونَ عِنْدَ ذِكْرِ مَوْتَاهُمْ. أَبَادَهُمُ الدَّهْرُ، يَنْسبُونَ ذَلِكَ إِلَيْهِ، وَيرَوْنَهُ الْفَاعِلَ لِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ، وَلَا يرَوْنَهَا مِنْ قَضَاءِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، كَمَا قَالَ تَعَالَى عَنْهُمْ: {وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ} [الجاثية: 24]" [2]

(عربوں کو جب کوئی مصیبت پہنچتی تھی تو وہ زمانہ کو برا بھلا کہتے تھے اور وہ یہ باتیں اپنے مردوں کے ذکر کے وقت کرتے تھے اور وہ مصیبت کی نسبت زمانہ کی طرف کرتے تھے اور وہ ان چیزوں (مصائب) کے لئے زمانہ کو فاعل مانتے تھے اور وہ مصائب کو اللہ کے حکم کا تابع نہیں سمجھتے تھے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور انہوں نے کہا! نہیں ہے یہ زندگی سوائے ہماری زندگانیِ دنیا کے، کہ ہم مرتے اور زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں تو صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے)

گویا کہ زمانہ کو برا بھلا کہنا اور گالیاں دینا، نہ صرف سماجی آداب کے خلاف ہے بلکہ اس عمل سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو تکلفیف بھی ہوتی ہے مندرجہ بالا حدیث کے مطابق یہ عمل اللہ کو ایذارسانی کا سبب بنتا ہے۔ کسی کو گالی دینا یا

[1] بخاری، محمد بن اِسماعیل، باب وما یھلکنا اِلا الدھر، ح:4826

[2] الجوزي، جمال الدين بن علي، کشف المشکل من حدیث الصحیحین، باب من مسند ابی ہریرہ دوسیؓ (ریاض، دار الوطن، 1997ء) 3/346

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برا بھلا کہنا یہ ایک غیر اخلاقی عمل ہے۔ گالی دینا با اخلاق لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔ گالیاں دینا فسق و فجور کا کام ہے اور یہ اخلاق سے عاری لوگوں کا شیوہ ہے اور یہ سماجی آداب کے خلاف ہے۔لہٰذا اس عمل سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

5. **حسن ظن:** ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً))[1]

(سیدنا ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں جو وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے بھری محفل میں یاد کرے تو میں اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت آئے تو میں اس کی جانب ایک گز نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک گز مجھ سے قریب ہو تو میں دو گز اس سے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چلتا ہوا آئے تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث شمار 2675، ترمذی کی حدیث شمار 3603، مسند احمد حنبل کی حدیث شمار 7422، سنن ابن ماجہ کی حدیث شمار 3822، مسند ابی یعلیٰ کی حدیث شمار 3232، صحیح ابن حبان کی حدیث شمار 633، اور شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار 1252 اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

حمزہ محمد قاسمؒ، منار القاري شرح صحیح البخاری میں مندرجہ بالا روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"دَلَّ هَذَا الْحَدِيثُ عَلَى مَا يَأْتِي: أَوَّلاً: التَّرْغِيبُ فِي حُسْنِ الظَّنِّ فِي اللَّهِ تَعَالَى، قَالَ الْكَرْمَانِيُّ: فِي السِّيَاقِ إِشَارَةٌ إِلَى تَرْجِيحِ جَانِبِ الرَّجَاءِ عَلَى جَانِبِ الْخَوْفِ، وَهُوَ كَمَا قَالَ الْمُحَقِّقُونَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ: خَاصٌّ بِالْمُحْتَضَرِ، وَيُؤَيِّدُ ذَلِكَ قَوْلُهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ

[1] بخاری، محمد بن اِسماعیل، باب قول اللہ تعالیٰ: ویحذرکم اللہ نفسہ، ح:7405

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللَّهِ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ. وَأَمَّا قَبْلَ الاِحْتِضَارِ، فَقَدْ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ الْخَوْفِ أَمْ الرَّجَاءُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْوَالٍ: (أَ) الْخَوْفُ أَفْضَلُ (بِ) الرَّجَاءُ أَفْضَلُ، (جِ) الاِعْتِدَالِ أَفْضَلُ" [1]

(یہ حدیث جن باتوں پر دلالت کرتی ہے ان میں سے اوّل یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن کی ترغیب۔ کرمانیؒ نے فرمایا: سیاق میں خوف کے مقابلہ میں امید کی جانب ترجیح کی طرف اشارہ ہے اور یہی بات اہل علم میں سے محققون نے کہی ہے کہ یہ موت کیساتھ خاص ہے اور نبی اکرم ﷺ کا قول اس بات کی تائید کرتا ہے کہ: تم میں سے کسی کو موت نہ آئے مگر وہ اللہ کیساتھ حسن ظن رکھتا ہو، امام مسلمؒ نے اسے بیان کیا ہے۔ اور جہاں تک موت سے پہلے کا تعلق ہے تو درحقیقت اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا خوف افضل ہے یا امید، تو اس بارے میں تین اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ خوف افضل ہے۔ دوسرا قول ہے کہ امید افضل ہے اور تیسرا قول ہے کہ ان دونوں کے مابین اعتدال رکھنا افضل ہے)

مندرجہ بالا حدیث میں حسن ظن کا سماجی آداب بیان ہوا ہے۔ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کیساتھ بھی حسن ظن رکھنا چاہیے اور مزید یہ کہ دیگر اہل ایمان کے حوالے سے بھی حسن ظن رکھنا چاہیے۔ سوئے ظن رکھنا اسلامی معاشرت کی تعلیم نہیں ہے۔ سوئے ظن نہ صرف گناہ ہے بلکہ یہ معاشرتی نااتفاقی کو بھی جنم دیتی ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حوالے سے سوئے ظن کا شکار ہو جائے تو وہ اللہ سے ناامید ہو جاتے ہیں، اسکے اور اسکے سب کے درمیان دوری و بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ حسن ظن سے اہل ایمان کے دل آپس میں ایک دوسرے کیساتھ جڑے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کیساتھ حسن ظن سے بندہ اللہ سے پُر امید رہتے ہے اور بہت سی پریشانیوں اور الجھنوں سے بچ جاتا ہے۔

6. **حسن اخلاق کا التزام:** ((عَنْ أَبِي صَالِحٍ الزَّيَّاتِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ)) [2]

---

[1] قاسم، حمزة محمد، منار القاري شرح صحيح البخاري، كتاب التوحيد والرد على الجهمية (دمشق، مكتبة دار البيان، 1990ء) 5/373

[2] بخاری، محمد بن إسماعيل، باب هل يقول إني صائم إذا شتم، ح: 1904

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(حضرت ابو صالح زیّات سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے سنا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم کے تمام اعمال اس کے لیے ہیں مگر روزہ، وہ خاص میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ روزہ ایک ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کسی کا روزے کا دن ہو تو وہ بیہودہ باتیں اور شور و غوغانہ کرے۔ اگر اسے کوئی گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے تو وہ اسے یہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہے۔ روزہ دار کے لیے دو مسرتیں ہیں جن سے وہ خوش ہوتا ہے ایک تو روزہ کھولنے کے وقت خوش ہوتا ہے، دوسرے جب وہ اپنے مالک سے ملے گا تو روزے کا ثواب دیکھ کر خوش ہو گا)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث شمار 163، 161، سنن النسائی کی حدیث شمار 2218، 2538، مسند احمد حنبل کی حدیث شمار 7494، سنن النسائی کی حدیث شمار 2216، صحیح ابن حبان کی حدیث شمار 3422، السنن الکبریٰ للبیہقی کی حدیث شمار 8310 اور شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار 1711 اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

علامہ بدر الدین عینیؒ، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں مندرجہ بالا حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"فَإِنْ سَابَهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَه فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ ، وَقَدْ مَضَى هَذَا الْحَدِيثُ قَبْلَ هَذَا بِخَمْسَة أَبْوَاب، وَهُوَ: بَابُ فَضْلِ الصَّوْمِ، فَإِنَّهُ أَخرجه هُنَاكَ: عَنْ عَبْدِ اللَّه بْنِ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالك عَنْ أَبِي الزِّنَاد عَنْ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَهُنَا أَخْرَجَهُ: عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُوسَى بْنِ يَزِيدَ التَّمِيمِيِّ الْفَرَّاءُ أَبُو إِسْحَاقَ الرَّازِيُّ يُعْرَفُ بِالصَّغِيرِ عَنْ هِشَامِ بْنِ يُوسُفَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الصَّنْعَانِيِّ الْيَمَانِيِّ قَاضِيهَا عَنْ عَبْدِ الْمَلك بْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ ذَكْوَانَ الزَّيَّات السَّمَّان عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَهَهُنَا زِيَادَةٌ هِيَ قَوْلُهُ: (فَلَا يُصْخَبُ)، وَهُنَاكَ: (وَلَا يُجْهَلُ) ، وَقَوْلُهُ: (لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ) إِلَى آخِرِهِ، وَقَدْ مَضَى الْكَلَامُ فِيهِ مُسْتَوْفًى"[1]

(پس اگر کوئی روزے دار کو گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے پس روزے دار کو چاہیے کہ وہ جھگڑا کرنے والے سے کہے کہ بیشک میں روزے سے ہوں۔ در حقیقت یہ حدیث اس سے پہلے پانچ ابواب میں گزر چکی ہے اور وہ صوم کے فصل کے باب میں ہے۔ پس در حقیقت انہوں نے وہاں اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے: عبد اللہ بن مسلمہ نے

[1] عینیؒ، أبو محمد محمود بن أحمد بدر الدین، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاري (بیروت، دار إحیاء التراث العربي، 1403ھ) 10/ 277

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مالک سے،مالک نے ابی زناد سے،ابی زناد نے اعرج سے،اعرج نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے اور یہاں انہوں نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے کہ: ابراہیم بن موسیٰ بن یزید التمیمی الفراء ابو اسحاق الرازی (جو صغیر سے معروف ہیں) نے ھشام بن یوسف ابی عبدالرحمن الصنعانی الیمانی (جو قاضی تھے) سے عبدالملک بن جریج سے عطاء بن ابی رباح سے ابو صالح ذکوان الزیات السمان سے ابو ھریرہؓ سے روایت کیا ہے اور یہاں قول میں اس کا (فَلَا يَصْخَبْ) اضافہ ہے اور وہاں (وَلَا يَجْهَلْ) کا اضافہ ہے۔اور ان کا قول (لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ) آخر تک ہے۔درحقیقت اس بارے میں برابر کلام گزر چکا ہے۔

گویا کہ روزے کے دوران بری باتوں، شور و غوغا، گالی اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب ضروری ہے۔بری باتوں، شور و غوغا، گالی اور لڑائی جھگڑے سے روزے کے علادہ بھی اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ بندہ مومن کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ بری باتیں کر کے اپنے گناہوں میں اضافہ کرے اور شور و غوغا کر کے دوسرے اہل ایمان کو پریشان کرے اور وہ اپنی زبان سے کسی دوسرے کو گالی دے اور وہ کسی دوسرے مسلمان سے لڑائی جھگڑا کرے کیونکہ یہ سب کام نہ صرف ایمان کے منافی ہیں بلکہ یہ تمام کام کام سماجی آداب کے بھی خلاف ہیں۔لہذا سماجی آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بری باتوں، شور و غوغا، گالی اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں روزے کے دوران بری باتوں، شور و غوغا، گالی اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب کرنا اجتناب کی تلقین کی گئی ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ روزے کے دوران بھوک، پیاس اور گرمی کی شدت کیوجہ سے انسان کا صبر کا پیمانہ لبریز ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

صبر کے پیمانے کے لبریز ہونے کی بناء پر گالی گلوچ، لڑائی جھگڑے کے وقوع پذیر ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔اسلئے روزے میں ان کاموں سے بطور خاص منع کیا گیا ہے۔اسی طرح اگر روزہ طویل دورانیہ کا ہو تو وقت کا گزارنے کے لئے بعض اوقات انسان لغو کاموں، بری باتوں کا سہارا لیکر روزے کے اوقات کو جلد گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔حالانکہ روزے کے دوران بری باتوں کے ذریعہ سے روزے کے روح فوت ہو جاتی ہے اور روزے کے روحانی مقاصد پورے نہیں ہو پاتے ہیں لہذا روزے میں بطور خاص ان کاموں سے اجتنات کی تلقین کی گئی ہے۔سماجی آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے روزے کے علاوہ بھی ہمیں بری باتوں، شور و غوغا، گالی اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

7. **باہمی محبت:** ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: «أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي، الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي))[1]

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: میرے جلال کی بنا پر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں انہیں اپنے سائے میں رکھوں گا، آج کے دن جب میرے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ مسند احمد حنبل کی حدیث شمار 22131، موطا امام مالک کی حدیث شمار 2004، سنن دارمی کی حدیث شمار 2799، صحیح ابن حبان کی حدیث شمار 574، شعب الایمان کی حدیث شمار 8577 اور شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار 3462 اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

امام نوویؒ، المنہاج شرح صحیح مسلم، میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

"فِيهِ دَلِيلٌ لِجَوَازِ قَوْلِ الْإِنْسَانِ اللَّهُ يَقُولُ وَهُوَ الصَّوَابُ الَّذِي عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ كَافَّةٌ إِلَّا مَا قَدَّمْنَاهُ فِي كِتَابِ الْإِيمَانِ عَنْ بَعْضِ السَّلَفِ مِنْ كَرَاهَةِ ذَلِكَ وَأَنَّهُ لَا يُقَالُ يَقُولُ اللَّهُ بَلْ يُقَالُ قَالَ اللَّهُ وَقَدَّمْنَا أَنَّهُ جَاءَ بِجَوَازِهِ الْقُرْآنُ فِي قوله تعالى والله يقول الحق وَأَحَادِيثُ صَحِيحَةٌ كَثِيرَةٌ قَوْلُهُ تَعَالَى الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي أَيْ بِعَظَمَتِي وَطَاعَتِي لَا لِلدُّنْيَا وَقَوْلُهُ تَعَالَى يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي أَيْ أَنَّهُ لَا يَكُونُ مَنْ لَهُ ظِلٌّ مَجَازًا كَمَا فِي الدُّنْيَا وَجَاءَ فِي غَيْرِ مُسْلِمٍ ظِلُّ عَرْشِي قَالَ الْقَاضِي ظَاهِرُهُ أَنَّهُ فِي ظِلِّهِ مِنَ الْحَرِّ وَالشَّمْسِ وَوَهَجِ الْمَوْقِفِ وَأَنْفَاسِ الْخَلْقِ قَالَ وَهَذَا قَوْلُ الْأَكْثَرِينَ وَقَالَ عِيسَى بْنُ دينار معناه كفه من الْمَكَارِهِ وَإِكْرَامُهُ وَجَعْلُهُ فِي كَنَفِهِ وَسَتْرِهِ وَمِنْهُ قَوْلُهُمُ السُّلْطَانُ ظِلُّ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ وَقِيلَ يُحْتَمَلُ أَنَّ الظِّلَّ هُنَا عِبَارَةٌ عَنِ الرَّاحَةِ وَالنَّعِيمِ يُقَالُ هُوَ فِي عَيْشٍ ظَلِيلٍ أَيْ طَيِّبٍ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"[2]

(اس حدیث میں انسان کے قول کے جواز کے لئے دلیل موجود ہے اس قول پر تمام علماء کاربند ہیں اور اللہ تعالیٰ صحیح فرماتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ جو ہم نے بعض اسلاف کی طرف سے اس کراہیت کیساتھ کتاب الایمان میں پہلے بیان کردی ہے کہ ایسا نہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بلکہ کہا یہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے پہلے

---

[1] قشیری، مسلم بن الحجاج، باب فی فضل الحب فی اللہ، ح: 2566

[2] نوویؒ، محیی الدین یحیی بن شرف، المنہاج شرح صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل الحب فی اللہ تعالیٰ (بیروت، دار إحیاء التراث العربی، 1392ء) 16/123

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیان کیاہے کہ یہ قرآن میں جوازاً بیان ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اللہ کی قسم وہ حق فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کثیر صحیح احادیث ہیں کہ میرے جلال کیوجہ سے وہ محبت کرنے والے یعنی میری عظمت اور میری اطاعت کیوجہ سے ،نہ کہ دنیا کیوجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ وہ قیامت کا دن ایسا ہے جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ سایہ نہ ہوگا یعنی وہ شخص جس پر مجازی سایہ نہ ہوگا جیسے دنیا میں سایہ ہوتا ہے اور میرے عرش کا سایہ آئیگا۔ قاضیؒ نے فرمایا اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کے سایہ میں اور کھڑے ہونے والے اور مخلوق حرارت اور سورج کی تپش محسوس کرینگے۔ اور یہ اکثرین کا قول ہے۔ اور عیسی بن دینارؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کراہیت سے روکنا اور اس کا اکرام کرنا اور اللہ نے ان کو اپنے سایہ اور پردے میں رکھا ہے اور دیگر احادیث میں سے ہے کہ بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس بات کو محمول کیا جاتا ہے کہ یہاں سایہ راحت اور نعمت سے عبارت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سایہ کی زندگی میں ہے یعنی اچھی زندگی، نبی اکرم ﷺ کے قول کے مطابق یہ بات ہے)

گویا کہ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کیساتھ محبت کرنا ضروری ہے۔ اہل ایمان کی باہمی محبت اسلام کو پسند ہے اور قرآن و سنت میں اس بات کی تلقین بھی کی گئی ہے کہ اہل ایمان کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت ہونی چاہیے تاکہ اہل ایمان کفر پر بھاری ہو سکیں کفار اہل ایمان کو توڑ نہ سکیں۔ جو اہل ایمان محض اللہ کی محبت کی خاطر آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، انکے ساتھ بیٹھتے ہیں، انکے ساتھ وقت گزارتے ہیں اور ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے لئے میری محبت واجب ہو گئی ہے۔ اہل ایمان کا آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنا، آپس میں ملاقات کرنا، مل بیٹھنا، ایک دوسرے پر مال خرچ کرنا یہ سماجی آداب میں داخل ہیں۔

8. **ہمدردی بذریعہ انفاقِ مال:** ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ، وَقَالَ: يَدُ اللَّهِ مَلْأَى لاَ تَغِيضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، وَقَالَ: أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالأَرْضَ، فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى المَاءِ، وَبِيَدِهِ المِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ))[1]

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، باب قوله وکان عرشه علی الماء، ح:4684

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تم خرچ کر، میں بھی تجھ پر خرچ کروں گا۔ مزید فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات اور دن مسلسل خرچ کرنے سے بھی اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ فرمایا: تم نے دیکھا نہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے مسلسل خرچ کیے جارہا ہے اس کے باوجود جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اس میں کمی نہیں آئی۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کے ہاتھ میں میزان عدل ہے جسے وہ جھکاتا اور اٹھاتا ہے)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث شمار 36، 37، مسند احمد حنبل کی حدیث شمار 7298، سنن ابن ماجہ کی حدیث شمار 2123، شعب الایمان کی حدیث شمار 3137 اور شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار 1656 اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

امام نوویؒ، المنہاج شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں کہ:

"هُوَ مَعْنَى قَوْلِه عَزَّ وَجَلَّ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ فَيَتَضَمَّنُ الْحَثُّ عَلَى الْإِنْفَاقِ مَعْنَى فِي وُجُوهِ الْخَيْرِ وَالتَّبْشِيرِ بِالْخَلَفِ مِنْ فَضْلِ اللَّهُ تَعَالَى قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (يَمِينُ اللَّه ملأى وقال بن نمير ملآن هكذا وقعت رواية بن نُمَيْر بالنُّون قَالُوا وَهُوَ غَلَطٌ مِنْهُ وَصَوَابُهُ مَلْأَى كَمَا فِي سَائِرِ الرِّوَايَاتِ ثُمَّ ضَبَطُوا رواية بن نُمَيْرٍ مِنْ وَجْهَيْنِ أَحَدُهُمَا إِسْكَانُ اللَّامِ وَبَعْدَهَا همزة والثاني ملان بفتح اللام بِلَا هَمْزٍ" [1]

((اللہ عزوجل کے قول کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ بھی تم خرچ کروگے تو وہ اس کا بدلہ دیگا۔ انفاق پر خواہش کا متضمن ہونے سے مراد نیکی اور اللہ کے فضل سے واپسی کی بشارت شامل ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، ابن نمیر نے ملآن کہا ہے اور ابن نمیر کی روایت میں یہ نون کیساتھ وارد ہوا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے اور مَلْأَى صحیح ہے۔ جیسا کہ (دیگر) تمام روایات میں ہے۔ پھر انہوں نے ابن نمیر کی روایت کو دو طریقے سے ضبط کیا ہے۔ ان میں سے ایک طریقہ لام کے سکون کیساتھ ہے اور اس کے بعد ہمزہ ہے اور دوسرا ملان لام کے فتح اور ہمزہ کے بغیر ہے))

گویا کہ غرباء اور مساکین پر مال خرچ کرنا سماجی آداب میں داخل ہے۔ اسلامی معاشرے کو احساس کمتری اور فاقہ سے بچانے کے لئے اسلام کی تعلیم ہے کہ قرابت دار، یتیم، مساکین اور سائلین پر مال خرچ کیا جائے۔ غرباء،

[1] نوویؒ، محیی الدین یحیی بن شرف، 7/79

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

مساکین اور مفلسین پر مال خرچ کرنے سے ایک طرف تو وہ احساس کمتری کا شکار نہیں ہونگے۔ دوسری طرف اسلامی معاشرے سے فاقہ کشی اور جرائم کا خاتمہ ہوگا۔ بعض جرائم فاقہ کشی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ اس اہل ایمان کے درمیان اخوت و ہمدردی کی فضاء قائم ہوگی اور مسلم معاشرہ قوی و توانا ہوگا۔ مزید یہ کہ غرباء، مساکین اور مفلسین پر مال خرچ کرنا اور انکی خبر گیری کرنا سماجی آداب میں داخل ہے۔

9. **ظلم سے اجتناب:** ((عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا رَوَى عَنْ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِكُمْ يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ فَاسْتَكْسُونِي أَكْسُكُمْ يَا عِبَادِي إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْ لَكُمْ يَا عِبَادِي إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّي فَتَضُرُّونِي وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِي فَتَنْفَعُونِي يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ يَا عِبَادِي إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدْ اللَّهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ قَالَ سَعِيدٌ كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ جَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ))[1]

(حضرت ابوذرؓ نے نبی ﷺ سے ایک ایسی روایت بیان کی جو آپ ﷺ نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندو! میں نے ظلم کرنا اپنے اوپر حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام قرار دیا ہے، اس لیے تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ میرے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو، سوائے اس کے جسے میں ہدایت دے دوں، اس لیے مجھ سے ہدایت مانگو، میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو، سوائے اس کے جسے میں کھلاؤں، اس لیے مجھ سے کھانا مانگو، میں تمہیں کھلاؤں گا۔ میرے بندو! تم سب کے سب ننگے ہو، سوائے اس کے جسے میں لباس پہناؤں، لہذا مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں لباس پہناؤں گا۔ میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں ہی سب کے سب گناہ معاف کرتا ہوں، سو مجھ سے مغفرت مانگو میں تمہارے گناہ معاف کروں گا۔ میرے بندو! تم کبھی مجھے نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھو گے کہ مجھے نقصان پہنچا سکو، نہ کبھی مجھے فائدہ

[1] قشیری، مسلم بن الحجاج، باب تحریم الظلم، ح:257

www.KitaboSunnat.com

پہنچانے کے قابل ہو گے کہ مجھے فائدہ پہنچا سکو۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے والے اور تمہارے بعد والے اور تمہارے انسان اور تمہارے جن سب مل کر تم میں سے ایک انتہائی متقی انسان کے دل کے مطابق ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے والے اور تمہارے بعد والے اور تمہارے انسان اور تمہارے جن سب مل کر تم میں سے سب سے فاجر آدمی کے دل کے مطابق ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور تمہارے پچھلے اور تمہارے انسان اور تمہارے جن سب مل کر ایک کھلے میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر دوں تو اس سے جو میرے پاس ہے، اس میں اتنا بھی کم نہیں ہو گا جو اس سوئی سے (کم ہو گا) جو سمندر میں ڈالی (اور نکال لی) جائے۔ سعید نے کہا: ابوادریس خولانی جب یہ حدیث بیان کرتے تو اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ مسند البزار کی حدیث شمار 4053، صحیح ابن حبان کی حدیث شمار 619، مسند شامیین للطبرانی کی حدیث شمار 338، معجم ابن عساکر کی حدیث شمار 870، السنن الکبریٰ للبیہقی کی حدیث شمار 11503 اور شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار 1291، اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

امام سیوطیؒ، الدیباج شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَة قِيلَ هُوَ عَلَى ظَاهِره وَقِيلَ هُوَ كِنَايَةٌ عَنِ الشَّدَائِد وَقِيلَ عَنِ الْأَنْكَالِ وَالْعُقُوبَات كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَته أَيْ أَعَانَهُ عَلَيْهَا وَلَطَفَ بِه وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا قَالَ النَّوَوِيّ الْمُرَادُ بِه السَّتْرُ عَلَى ذَوِي الْهَيْئَاتِ وَنَحْوِهِمْ مِمَّنْ لَيْسَ مَعْرُوفًا بِالْأَذَى وَالْفَسَادِ الْجَلْحَاءِ بِالْمَدِّ هِيَ الْجَمَّاءُ الَّتِي لَا قُرُونَ لَهَا"[1]

((بیشک ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی صورت میں ہو گا۔ کہا گیا ہے کہ یہ اس کا ظاہر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مصائب سے کنایہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سزاؤں سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی حاجت پوری کرنے میں محو ہوتا ہے یعنی اس کام پر اس کی مدد کرتا ہے، مہربانی کرتا ہے۔ جس نے کسی مسلمان کی ستر پوشی کی تو امام نوویؒ نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ظاہری معاملات پر پردہ پوشی کرنا، اسی طرح ان معاملات میں جن میں بڑھتی ہوئی تکلیف اور فساد ظاہر نہ ہو))

گویا کہ ظلم سے اجتناب کرنا اشد ضروری ہے۔ ظلم ضد ہے عدل کی۔ اللہ تعالیٰ کو عدل پسند ہے اور قرآن و سنت میں عدل کرنے اور ظلم سے اجتناب کرنے کی تلقین ہے۔ ظلم اسلامی معاشرے کی اقدار کو خراب کر دیتا ہے۔

[1] سیوطي، عبدالرحمن بن أبي بکر، جلال الدین، الدیباج علی صحیح مسلم (السعودیة، دار ابن عفان، 1996ء) 5/518

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظلم، جبر اور زیادتی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ ظلم کے ذریعہ سے مظلوم طبقہ پس کر رہ جاتا ہے۔ مظلوم کی دعا سیدھا آسمان پر جاتی ہے اور مظلوم کی دعا لازماً قبول ہوتی ہے خواہ دیر سے ہی کیوں نہ قبول ہو۔ اسلام نے ظلم کے خاتمہ کے لئے عدل و قسط کے نظام کو قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔ اگر عدل و قسط کا نظام قائم کر دیا جائے تو اس سے ظلم کا خاتمہ ہو تا ہے۔ لوگوں پر ظلم و ستم کرنا، سماجی آداب کے خلاف ہے لہذا اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

10. **حقوق العباد:** ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُودُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي قَالَ يَا رَبِّ وَكَيْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ أَمَا إِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي))[1]

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائے گا: آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ وہ کہے گا: میرے رب! میں کیسے تیری عیادت کرتا جبکہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمہیں معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تو نے اس کی عیادت نہ کی۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا جبکہ تو خود ہی سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا: تو نے اسے کھانا نہ کھلایا اگر تو اس کو کھلا دیتا تو تمہیں وہ (کھانا) میرے پاس مل جاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا، تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ وہ شخص کہے گا: میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا جبکہ تو خود ہی سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے اسے پانی نہ پلایا، اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو (آج) اس کو میرے پاس پالیتا)

[1] قشیری، مسلم بن الحجاج، باب فضل عیادۃ المریض، ح:2569

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ صحیح ابن حبان کی حدیث شمار 269، شعب الایمان کی حدیث شمار 8752 اور شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار 1410 اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

ملا علی قاریؒ، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں اس حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں کہ:

"أَرَادَ بِهِ مَرَضَ عَبْدِهِ، وَإِنَّمَا أَضَافَ إِلَى نَفْسِهِ تَشْرِيفًا لِذَلِكَ الْعَبْدِ، فَنَزَّلَهُ مَنْزِلَةَ ذَاتِهِ، وَالْحَاصِلُ أَنَّ مَنْ عَادَ مَرِيضًا لِلَّهِ فَكَأَنَّهُ زَارَ اللَّهَ. «قَالَ: يَا رَبِّ، كَيْفَ أَعُودُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ» ؟ !) : حَالٌ مُقَرِّرَةٌ لِجِهَةِ الْإِشْكَالِ الَّذِي يَتَضَمَّنُهُ. (كَيْفَ) أَيِ: الْمَرَضُ إِنَّمَا يَكُونُ لِلْمَرِيضِ الْعَاجِزِ، وَأَنْتَ الْقَاهِرُ الْقَوِيُّ الْمَالِكُ. فَإِنْ قِيلَ: الظَّاهِرُ أَنْ يُقَالَ: كَيْفَ تَمْرَضُ مَكَانَ كَيْفَ أَعُودُكَ؟ ! قُلْنَا: عَدَلَ عَنْهُ مُعْتَذِرًا إِلَى مَا عُوتِبَ عَلَيْهِ. وَهُوَ مُسْتَلْزِمٌ لِنَفْيِ الْمَرَضِ.«قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي» أَيْ: لَوَجَدْتَ رِضَائِي (عِنْدَهُ) : وَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ لِلْعَجْزِ وَالِانْكِسَارِ عِنْدَهُ تَعَالَى مِقْدَارًا وَاعْتِبَارًا، كَمَا رُوِيَ: أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ لِأَجْلِي. قَالَ الطِّيبِيُّ: وَفِي الْعِبَارَةِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْعِيَادَةَ أَكْثَرُ ثَوَابًا مِنَ الْإِطْعَامِ وَالْإِسْقَاءِ الْآتِيَيْنِ، حَيْثُ خَصَّ الْأَوَّلَ بِقَوْلِهِ: وَجَدْتَنِي عِنْدَهُ؟ فَإِنَّ فِيهِ إِيمَاءً إِلَى أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَقْرَبُ إِلَى الْمُنْكَسِرِ الْمِسْكِينِ" [1]

(اس سے مراد اس کے بندے کا بیمار ہونا ہے۔ اللہ نے تو بطور شرف اپنی نسبت اس بندے کی طرف کی ہے، اسے قدر و منزلت عطا کرنے کیلئے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جس نے مریض کی عیادت کی تو گویا اس نے اللہ کی زیارت کی۔ بندے نے کہا: اے رب میں آپ کی عیادت کیسے کر سکتا ہوں آپ تو تمام جہانوں کے رب ہیں۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو جہت کے اشکال کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ لفظ کَیْفَ سے مراد یہ ہے کہ مرض تو عاجز شخص کو لاحق ہوتا ہے جبکہ آپ تو قوی و قاہر بادشاہ ہیں۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ ظاہرًا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اسے مرض کا امکان کیسے ہو سکتا ہے تو میں اس کی عیادت کیسے کروں؟ تو ہم نے کہا جو الزام اس پر لگایا گیا ہے اسے پھیر دیا گیا ہے اور وہ نفیِ مرض کے لئے مستلزم ہے۔ اللہ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو تم نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ اگر تم اس کی عیادت کرتے تو تم مجھے اس کے پاس پاتے یعنی تم میری رضا کو اس کے پاس پاتے۔ اس میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ عاجزی و انکساری اللہ کے ہاں قدر و قیمت کی حامل ہے۔ جیسا کہ منقول ہے: میں ان ٹوٹے ہوئے لوگوں کیساتھ ہوں جن کے دل میری خاطر ٹوٹے ہیں۔ طیبی نے کہا: عبارت میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ عیادت کا ثواب، کھانا کھلانے اور پانی پلانے سے زیادہ ہے۔ چونکہ اس نے

[1] ملّا علی قاری، أبو الحسن نور الدین الھروي، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (بیروت، دار الفکر، 2002ء) 3/1123

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلی بات کی اپنے قول سے تخصیص کی ہے کہ تم مجھے اس کے پاس پاتے۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے مسکین کے قریب ہوتے ہیں)

گویا کہ بیمار کی عیادت کرنا، فاقہ کش کو کھانا کھلانا، پیاسوں کا پانی پلانا بڑے ثواب کے کام ہیں اور قربت الٰہی کا ذریعہ ہیں۔جب کوئی شخص بیمار ہو جاتا ہے تو اسے تسلی دینے والوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جب اسکے دوست احباب اس کی عیادت کرنے کے لئے آتے ہیں تو وہ اسے شفاء یابی کی تسلی دیتے ہیں اور اطمینان دلاتے ہیں۔لہذا عیادت کرنے والوں کا مریض کو اطمینان دلانا اس مریض کے لئے سکون کا باعث ہوتا ہے۔اسی طرح فاقہ کش لوگوں کو کھانا کھلانا بھی اسلام کی تعلیم ہے۔قرآن وسنت میں فاقہ کش لوگوں کو کھانا کھلانے کی تلقین ہے۔فاقہ کشوں کو کھانا کھلانا باعث اجر و ثواب ہے اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم غرباء و مساکین کے لئے راشن کا انتظام کریں ۔اسی طرح پیاسوں کو پانی پلانا، انکی پاس بجھانا بھی نیکی اور اجر و ثواب کے کاموں میں سے ہے۔خاص کر گرمیوں کے موسم میں ہمیں اس چیز کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے کہ مختلف جگہوں پر پانی کے کولرز لگانے کا اہتمام کیا جائے۔مندرجہ بالا حدیث میں بیمار کی عیادت کرنا، فاقہ کش کو کھانا کھلانا، پیاسوں کا پانی پلانا مذکور ہیں، یہ تینوں امور سماجی آداب میں داخل ہیں یعنی معاشرے میں ہمیں بیماروں کی عیادت کرنی چاہیے، فاقہ کشوں کو کھانا کھلانا چاہیے اور پیاسوں کو پانی پلانا چاہیے۔

11. **نعمت سے محرومی پر طرز عمل:** ((عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللَّهُ لِمَلَائِكَتِهِ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَقُولُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَقُولُ مَاذَا قَالَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُولُ اللَّهُ ابْنُوا لِعَبْدِي بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ، (قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ))[1]

(ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسی بندے کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے: تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کرلی؟ تو وہ کہتے ہیں: ہاں، پھر فرماتا ہے: تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا؟ وہ کہتے ہیں: ہاں۔تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: اس نے تیری حمد بیان کی اور کلمہ استرجاع (إنا لله وإنا إليه راجعون) پڑھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بنادو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو)

[1] ترمذي، محمد بن عيسى، باب فضل المصيبة إذا احتسب، ح:1021

www.KitaboSunnat.com

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ شرح السنہ للبغوی کی حدیث شمار1549 اور الآداب للبیہقی کی حدیث شمار1756اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

ملا علی قاریؒ، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں اس حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں کہ:

"(إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ) أَي: الْمُؤْمِنِ فَإِنَّه الفَرْدُ الْأَكْمَلُ. (قَالَ اللَّهُ تَعالَى لِمَلَائِكَتِه) أَيْ: مَلَكِ الْمَوْتِ وَأَعْوَانِه. (قَبَضْتُمْ) عَلَى تَقْدِيرِ الاسْتِفْهَامِ نَظِيرَ تَجَاهُلِ الْعَارِفِ بِالْمَرَامِ. (وَلَدَ عَبْدِي) أَيْ: رُوحَهُ. (فَيَقُولُونَ: نَعَمْ. فَيَقُولُ) ثَانِيًا إِظْهَارًا لِكَمَالِ الرَّحْمَةِ، كَمَا أَنَّ الْوَالِدَ الْعَطُوفَ يَسْأَلُ الْفَصَّادَ هَلْ قَصَدْتَ وَلَدِي؟ مَعَ أَنَّهُ بِأَمْرِهِ وَرِضَاهُ. (قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ) ؟ قِيلَ: سُمِّيَ الْوَلَدُ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ لِأَنَّهُ نَتِيجَةُ الْأَبِ، كَالثَّمَرَةِ لِلشَّجَرَةِ. (فَيَقُولُونَ: نَعَمْ. فَيَقُولُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِي) ؟ أَيْ: مِمَّا يَدُلُّ عَلَى جَزَعِهِ وَصَبْرِهِ، وَكُفْرِهِ وَشُكْرِهِ. (فَيَقُولُونَ: حَمِدَكَ) أَيْ: حَتَّى عَلَى الْبَلِيَّةِ الَّتِي مِنْ عِنْدِكَ. (وَاسْتَرْجَعَ) أَيْ: أَظْهَرَ رُجُوعَ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ إِلَى أَمْرِكَ بِقَضَائِكَ وَقَدَرِكَ، وَقَالَ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ، وَغَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ بَعْضَنَا سَابِقُونَ وَالْبَاقُونَ لَاحِقُونَ. (فَيَقُولُ اللَّهُ: ابْنُوا لِعَبْدِي) أَيْ: هَذَا. (بَيْتًا) أَيْ: عَظِيمًا. (فِي الْجَنَّةِ، وَسَمُّوهُ) أَيْ: ذَلِكَ الْبَيْتَ. (بَيْتَ الْحَمْدِ) أَضَافَ الْبَيْتَ إِلَى الْحَمْدِ الَّذِي قَالَهُ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ لِأَنَّهُ جَزَاءُ ذَلِكَ الْحَمْدِ." [1]

(جب کسی آدمی کا بچہ فوت ہو جاتا ہے یعنی کوئی مومن فوت ہو جاتا ہے کیونکہ فرد کامل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا یعنی موت کے فرشتے اور اسکے معاونین سے کہا۔ تم نے (روح) قبض کی یعنی قدرت پر سوال کرنا، مثال ہے عارف کا مطلوب کی خاطر، ناواقفیت کو ظاہر کر کے۔ وَلَدَ عَبْدِي سے مراد اسکی روح ہے۔ تو وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ جی ہاں تو دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ رحمت کے کمال کا اظہار کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ جیسا کہ والد انتہائی شفیق ہوتا ہے اور وہ خون نکالنے والے یعنی جان نکالنے والے سے کہتا ہے کہ اے فرشتے کیا تونے میرے بیٹے کی روح قبض کرنے کا ارادہ کر لیا، باوجود اسکے حکم اور رضا کے۔ یعنی تم نے اسکے دل کا پھل قبض کر لی۔ بچہ کو دل کا پھل اسلئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ باپ کا نتیجہ ہوتا ہے، جیسے درخت کا پھل ہوتا ہے۔ تو فرشتے کہتے ہیں کہ جی ہاں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو میرے بندے نے کیا کہا؟ یعنی یہ ان باتوں میں سے ہے جو صبر، بے صبری، شکر اور ناشکری پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر فرشتے کہتے ہیں کہ اس بندے نے آپکی حمد بیان کی یعنی آپ کی جانب سے جو آزمائش آپکی طرف سے اسے پہنچی اس پر اس نے حمد بیان کی)

---

[1] ملّا علی قاری، أبو الحسن نور الدین الھروي، 3/1240

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مندرجہ بالا حدیث میں کسی کی وفات پر اطمینان اور حوصلہ افزا کلمات کہنے کی تعلیم ہے۔ جب کسی کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو یہ لمحہ اس کے لئے انتہائی شدید اور کرب ناک ہوتا ہے۔ کم عمر اولاد کی وفات پر صبر کرنا بے حد مشکل کام ہے لیکن پھر بھی اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ ایسے مواقع پر صبر کیا جائے۔ خاص طور پر جب کسی کا پہلا بچہ ہی فوت ہو جائے تو اس موقع پر بھی صبر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی صرف بیٹیاں ہی بیٹیاں ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ اسے ایک بیٹے سے نواز دے اور پھر وہی ایک بیٹا فوت ہو جائے تو ایسی صورت میں صبر کرنا واقعتاً مشکل کام ہے لیکن اس سب کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ ایسے معاملات پر صبر کیا جائے اور راضی برضائے رب رہا جائے۔ سماجی آداب کا بھی یہی تقاضا ہے کہ وفات اور دیگر مصائب پر واویلا نہ مچایا جائے اور صبر جمیل کا دامن تھام کر رکھا جائے۔

12. **حلاوت زبان:** ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ: لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقًا أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلَى مِنَ العَسَلِ، وَقُلُوبُهُمْ أَمَرُّ مِنَ الصَّبْرِ، فَبِي حَلَفْتُ لَأُتِيحَنَّهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الحَلِيمَ مِنْهُمْ حَيْرَانًا، فَبِي يَغْتَرُّونَ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِئُونَ، قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ))[1]

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: 'اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے جن کی زبانیں شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہیں اور ان کے دل ایلوا کے پھل سے بھی زیادہ کڑوے ہیں، میں اپنی ذات کی قسم کھاتا ہوں! کہ ضرور میں ان کے درمیان ایسا فتنہ نازل کروں گا جس سے ان میں سے عقل مند آدمی بھی حیران رہ جائے گا، پھر بھی یہ مجھ پر غرور کرتے ہیں یا جرأت؟)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث شمار 35624، المعجم الاوسط کی حدیث شمار 8931 اور شعب الایمان کی حدیث شمار 6557 اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

امام شوکانی، نیل الاوطار (شرح ترمذی) میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

"يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُونَ الدُّنْيَا بِالدِّينِ، يَلْبَسُونَ لِلنَّاسِ جُلُودَ الضَّأْنِ، أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلَى مِنْ الْعَسَلِ، وَقُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الذِّئَابِ، يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: أَبِي تَغْتَرُّونَ أَمْ عَلَيَّ تَجْتَرِئُونَ، فَبِي حَلَفْتُ لَأَبْعَثَنَّ عَلَى أُولَئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَذَرُ الْحَلِيمَ فِيهِمْ حَيْرَانَ" [1]

---

[1] ترمذی، محمد بن عیسی، باب، ح:2405

www.KitaboSunnat.com

آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہونگے جو دنیا کی خاطر دین کو دھوکہ دیتے ہونگے۔ وہ لوگوں کے لئے بھیڑ یئے کی کھال پہنتے ہونگے۔ انکی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہونگی اور انکے دل بھیڑیوں کی مانند ہونگے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا یہ مجھ پر غرور کرتے ہیں یا جرأت کرتے ہیں؟ پس اللہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ میں لازمًا ان لوگوں پر ایک ایسا فتنہ بھیجوں گا جو ان میں عقلمند آدمی کو حیران کر دیگا۔

جیسا کہ دین اسلام ہمیں اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے اخلاق کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ مندرجہ بالا حدیث سے اخذ شدہ سماجی آداب میں اخلاق حسنہ یعنی زبان کا شہد سے زیادہ میٹھے ہونا کا ذکر ہے۔ بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے اخلاق کا معیار بہت ہی پست ہے۔ حالانکہ ہم نبی اکرم ﷺ کے اُمتی ہیں اور نبی اکرم ﷺ تو اخلاق کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے جبکہ نبی اکرم ﷺ کے اکثر امتیوں کا اخلاق بہت ہی خراب ہے۔ برے اخلاق کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شہد کے اندر ایلوا ملا دے تو جس طرح ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے تو اسی طرح بد اخلاقی، ایمان کو خراب کر دیتی ہے۔ دین اسلام میں اخلاق حسنہ کی بہت اہمیت ہے اور اخلاق حسنہ کا کثیر ثواب ہے اور سماجی آداب کا یہ تقاضا ہے کہ اہل ایمان، دیگر لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔

13. **تکبر سے اجتناب:** ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: «الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي، وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا، قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ))[2]

(سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا اللہ عزوجل فرماتا ہے بڑائی میری (اوپر کی) چادر ہے اور عظمت میری (نیچے کی) چادر ہے، چنانچہ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کو بھی کھینچنے کی کوشش کرے گا (میرا شریک ہونے کی کوشش کرے گا) میں اسے جہنم میں جھونک دوں گا)

اسی مضمون سے متعلق دیگر روایاتِ حدیث بھی ہیں، جیسا کہ مسند احمد حنبل کی حدیث شمار 7382، سنن ابن ماجہ کی حدیث شمار 4174، مسند البزار کی حدیث شمار 5106، صحیح ابن حبان کی حدیث شمار 328، المعجم الاوسط کی حدیث شمار 3380 اور شعب الایمان کی حدیث شمار 7809 اسی مضمون پر مشتمل ہیں۔

خطابیؒ، معالم السنن شرح صحیح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں کہ:

---

[1] شوکانی، محمد بن علي بن محمد اليمني، نيل الاوطار (مصر، دار الحديث، 1993ء) 7/256

[2] ابوداؤد، سليمان بن الأشعث السجستاني، سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب ما جاء في الكبر، (بيروت، المكتبة العصرية، بدون سنة النشر) ح: 4090

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"فِي الْمُفْهِمِ الرِّدَاءُ اسْتِعَارَةٌ كَنَّى بِهَا عَنِ الْعَظَمَةِ كَمَا فِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي وَلَيْسَ الْمُرَادُ الثِّيَابَ الْمَحْسُوسَةَ لَكِنَّ الْمُنَاسَبَةَ أَنَّ الرِّدَاءَ وَالْإِزَارَ لَمَّا كَانَا مُتَلَازِمَيْنِ لِلْمُخَاطَبِ مِنَ الْعَرَبِ عَبَّرَ عَنِ الْعَظَمَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ بِهِمَا وَمَعْنَى حَدِيثِ الْبَابِ أَنَّ مُقْتَضَى عِزَّةِ اللَّهِ وَاسْتِغْنَائِهِ أَنْ لَا يَرَاهُ أَحَدٌ لَكِنَّ رَحْمَتَهُ لِلْمُؤْمِنِينَ اقْتَضَتْ أَنْ يُرِيَهُمْ وَجْهَهُ كَمَالًا لِلنِّعْمَةِ فَإِذَا زَالَ الْمَانِعُ فَعَلَ مَعَهُمْ خِلَافَ مُقْتَضَى الْكِبْرِيَاءِ فَكَأَنَّهُ رَفَعَ عَنْهُمْ حِجَابًا كَانَ يَمْنَعُهُمْ"[1]

(رداء استعارہ کے مفہوم میں ہے اور یہ عظمت سے کنایہ ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، اس سے مراد حسی کپڑے نہیں ہیں لیکن چادر اور ازار کی (بڑائی اور عظمت کیساتھ)مناسبت ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں عرب کے مخاطب کیساتھ منسلک ہیں۔ان دونوں چیزوں سے عظمت اور بڑائی کو تعبیر کیا جاتا ہے۔اس حدیث کا موضوع اور مقتضٰی اللہ کی عزت اور استغنی ہے۔اللہ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا لیکن اس کی رحمت مؤمنین کے لئے ہے جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ مؤمنین کو نعمت کے کمال کے طور اپنا چہرہ دکھائے۔اگر رکاوٹ دور ہو جائے تو اللہ ان سے کبریائی کے تقاضوں کے برخلاف معاملہ کریگا، گویا کہ اس نے ان سے وہ پردہ ہٹا دیا ہے جو انہیں روک رہا تھا۔

گویا کہ شریعتِ اسلامیہ میں بڑائی (تکبر) سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔بڑائی صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالٰی کو زیب دیتی ہے۔عام طور پر جو لوگ تکبر کا ارتکاب کرتے ہیں تو انکے تکبر کی مختلف بنیادیں یا وجوہات ہوتی ہیں ۔کچھ لوگ اپنے علم پر تکبر کرتے ہیں، کچھ اپنی دولت پر تکبر کرتے ہیں، کچھ اپنے اقتدار پر تکبر کرتے ہیں۔انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔انسان کے پاس جو جسم ہے، عقل ہے، صحت ہے، دولت ہے، اقتدار ہے یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے تو پھر انسان بالآخر کس بنیاد پر بڑائی یا تکبر کا ارتکاب کرتا ہے۔دین اسلام میں تکبر کی ممانعت شدت سے واقع ہوئی ہے اور تکبر کرنا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔سماجی آداب کا یہ تقاضا ہے کہ اہل ایمان، عاجزی وانکساری کا دامن تھام کر رکھیں اور تکبر سے اجتناب کریں۔

تجزیہ و تلخیص

[1] خطابی، محمد بن ابراہیم بن البستی، معالم السنن شرح سنن ابی داؤد (شام، المطبعۃ العلمیۃ، 1932ء) 4/196

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ فصل میں احادیث قدسیہ کا تعارفی مطالعہ کیا گیا ہے اور اس فصل میں جیسے ایفائے عہد، اخلاق حسنہ، باہمی ملاقات، صبر، دشمنی کرنے پر وعید، ، حسن ظن، نرمی، باہمی محبت، غرباءاور مساکین پر مال خرچ کرنا، ظلم سے اجتناب، دست سوال دراز کرنے اجتناب، عیادت مریض، فاقہ کش کو کھانا کھلانا، پیاسوں کا پانی پلانا، کسی کی وفات پر اطمینان اور حوصلہ افزا کلمات کہنے کی تعلیم، نرمی کا بیان، تکبر سے اجتناب جیسے سماجی آداب بیان کئے گئے ہیں۔
ایفائے عہد دین کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ جب ایک شخص کسی دوسرے شخص سے وعدہ کرتا ہے تو جس شخص سے وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ اس کام پرُپرامید ہوجاتا ہے جس کام کے لئے وعدہ کیا گیا ہوتا ہے۔ لیکن جب وعدہ کرنے والا شخص وعدہ توڑ دیتا ہے تو جس سے وعدہ کیا گیا ہوتا ہے تو وعدہ خلافی کے ذریعہ اس کا مالی نقصان بھی ہوتا ہے اور اسکے وقت کا ضیاع بھی ہوتا ہے۔

کسی آزمائش پر بے صبری کرنا اور واویلا مچانا، سماجی آداب کے خلاف ہے۔ قرآن و احادیث میں صبر کی تلقین کثرت سے آئی ہے۔ یہ دنیا کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ اس دنیا میں آزمائش لازماً آکر رہتی ہے۔ دنیا غم و آلام اور مصائب و پریشانیوں سے بھری پڑی ہے، البتہ ہر شخص کی آزمائش کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ہر قسم کی آزمائش میں صبر کا دامن تھام کر رکھے۔

اہل ایمان کی آپس میں ایک دوسرے کیساتھ محبت و الفت ہونی چاہیے تاکہ اہل ایمان کی قوت مضبوط ہو اور وہ کفار کے اوپر بھاری ہوں اور اہل کفر، اہل ایمان سے خوف محسوس کریں۔ لیکن اگر اہل ایمان کی آپس میں ایک دوسرے سے کسی بھی وجہ سے دشمنی ہو تو ایسی صورت میں مسلمان کمزور ہوجائینگے۔

اہل ایمان کو اللہ تعالٰی کیساتھ بھی حسن ظن رکھنا چاہیے اور مزید یہ کہ دیگر اہل ایمان کے حوالے سے بھی حسن ظن رکھنا چاہیے۔ سوئے ظن رکھنا اسلامی معاشرت کی تعلیم نہیں ہے۔ سوئے ظن نہ صرف گناہ ہے بلکہ یہ معاشرتی نااتفاقی کو بھی جنم دیتی ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالٰی کے حوالے سے سوئے ظن کا شکار ہوجائے تو وہ اللہ سے ناامید ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں اللہ کے بندوں کیساتھ بھی حسن ظن رکھنا چاہیے اور سوئے ظن سے اجتناب کرنا چاہیے۔

گویا کہ روزے کے دوران بری باتوں، شور و غوغا، گالی اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب ضروری ہے۔ بری باتوں، شور و غوغا، گالی اور لڑائی جھگڑے سے روزے کے علاوہ بھی اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ بندہ مومن کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ بری باتیں کرکے اپنے گناہوں میں اضافہ کرے اور شور و غوغا کرکے دوسرے اہل ایمان کو پریشان کرے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ اپنی زبان سے کسی دوسرے کو گالی دے۔ مزید یہ کہ روزے کے علاوہ بھی ہمیں بری باتوں، شور و غوغا، گالی اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کیساتھ محبت کرنا ضروری ہے۔ اہل ایمان کی باہمی محبت اسلام کو پسند ہے اور قرآن و سنت میں اس بات کی تلقین بھی کی گئی ہے کہ اہل ایمان کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت ہونی چاہیے تاکہ اہل ایمان کفر پر بھاری ہو سکیں کفار اہل ایمان کو توڑ نہ سکیں۔

غرباء اور مساکین پر مال خرچ کرنا سماجی آداب میں داخل ہے۔ اسلامی معاشرے کو احساس کمتری اور فاقہ کشی سے بچانے کے لئے اسلام کی تعلیم ہے کہ قرابت دار، یتیم، مساکین اور سائلین پر مال خرچ کیا جائے۔ غرباء، مساکین اور مفسلسین پر مال خرچ کرنے سے ایک طرف تو وہ احساس کمتری کا شکار نہیں ہونگے۔

اللہ تعالیٰ کو عدل پسند ہے اور قرآن و سنت میں عدل کرنے اور ظلم سے اجتناب کرنے کی تلقین ہے۔ ظلم اسلامی معاشرے کی اقدار کو خراب کر دیتا ہے۔ ظلم، جبر اور زیادتی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ ظلم کے ذریعہ سے مظلوم طبقہ پس کر رہ جاتا ہے۔ لہذا ہمیں ظلم سے اجتناب کرنا چاہیے۔

کسی کی وفات پر اطمینان اور حوصلہ افزا کلمات کہنے کی تعلیم ہے۔ جب کسی کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو یہ لمحہ اس کے لئے انتہائی شدید اور کرب ناک ہوتا ہے۔ کم عمر اولاد کی وفات پر صبر کرنا بے حد مشکل کام ہے لیکن پھر بھی اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ ایسے مواقع پر صبر کیا جائے۔

دین اسلام ہمیں اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے اخلاق کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ مندرجہ بالا حدیث سے اخذ شدہ سماجی آداب میں اخلاق حسنہ یعنی زبان کا شہد سے زیادہ میٹھے ہونا کا ذکر ہے۔ بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے اخلاق کا معیار بہت ہی پست ہے۔ لہذا ہمیں اپنے اخلاق کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

اسلام میں تکبر سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ بڑائی رف اللہ کو زیب دیتی ہے۔ عام طور پر جو لوگ تکبر کا ارتکاب کرتے ہیں تو انکے تکبر کی مختلف بنیادیں یا وجوہات ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ اپنے علم پر تکبر کرتے ہیں، کچھ اپنی دولت پر تکبر کرتے ہیں، کچھ اپنے اقتدار پر تکبر کرتے ہیں۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ لہذا ہمیں ہر قسم کے تکبر سے لازماً اجتناب کرنا چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم:

احادیث قدسیہ سے ماخوذ سماجی آداب کا توضیحی مطالعہ

ایفائے عہد، صبر، باہمی دشمنی سے اجتناب، فحش باتوں سے اجتناب، ظلم سے اجتناب، اخلاق حسنہ، تکبر سے اجتناب اور حسن ظن کی تلقین کا بیان ہے۔ اصلاحِ معاشرہ کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ معاشرہ میں نہ صرف سماجی آداب کو بیان کیا جائے، بلکہ سماجی آداب کا بالفعل اطلاق کر کے معاشرے کو ان آداب سے مزین بھی کیا جائے، تاکہ سماج اخلاقِ رذیلہ سے پاک وصاف ہو جائے۔ جو معاشرہ سماجی آداب سے مزین ہو جاتا ہے تو اس معاشرہ میں بہت سی خیر جمع ہو جاتی ہے اور وہ معاشرہ اخلاقی لحاظ سے ترقی کرتا ہے۔

زیر نظر فصل میں سماج سے متعلق آداب کا توضیحی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس فصل میں ہر سماجی ادب پر علیحدہ علیحدہ مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ ہر سماجی ادب سے متعلق قرآنی آیات تحریر کی گئی ہیں پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ حدیث قدسی میں مذکور سماجی ادب دراصل قرآن مجید کی آیات کی توضیح ہے۔ پھر ان آیات کی تفسیر مختلف تفاسیر قرآن سے بیان کی گئی ہے۔ اسکے بعد اس سماجی ادب کا تذکرہ اگر سیرۃ النبی ﷺ کے کسی واقعہ میں ہوا ہو تو اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر دین اسلام میں اس سماجی ادب کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اسکے بعد اس سماجی ادب کی انسانی شخصیت کی تعمیر میں جو اثرات مرتب ہوتے ہیں انکو بیان کیا گیا ہے۔ پھر اس سماجی ادب کے سماج پر جو اثرات پیدا ہوتے ہیں وہ بیان کئے گئے ہیں۔ اصلاح معاشرہ میں سماجی آداب کی بڑی اہمیت ہے۔ جس قدر معاشرہ میں سماجی آداب کو وقعت و اہمیت دی جاتی ہے وہ معاشرہ اسی قدر بہتر ہوتا ہے۔ سماجی آداب کے ضمن میں ایک بات بڑی اہمیت کی حامل ہے اور وہ یہ کہ سماجی آداب کو زمانہ کے تقاضوں سے پرکھنے کے بجائے، انکو قرآن و سنت کی تعلیمات سے پرکھا جائیگا۔ گویا کہ اس ضمن میں معیار قرآن و سنت ہو گا، نہ کہ زمانہ اور معاشرہ کو سماجی آداب کے مطابق ڈھالنے کے ضمن میں جو اصلاحات کی جائینگی وہ قرآن و سنت کے مطابق ہونگی۔ اس فصل میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ قرآن و سنت میں جو اصل سماجی آداب ہیں وہ کیا ہیں اور ان سماجی آداب کا تقاضا کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایفائے عہد

ایفائے عہد سے مراد وعدہ پورا کرنا ہے۔ قرآن و سنت میں شد و مد کیساتھ ایفائے عہد کی تلقین آئی ہے۔ احادیث قدسیہ میں وارد ایفائے عہد کا سماجی آداب، دراصل درج ذیل قرآن حکیم کی آیات کی تائید و توضیح ہے۔

﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾[1]

(اور تم میرے وعدے کو پورا کرو، تو میں تمہارے وعدہ کو پورا کرونگا)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾[2]

(اے ایمان والوں !تم وعدوں کو پورا کیا کرو)

﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾[3]

(اور تم اللہ کے وعدے کو پورا کیا کرو، اس بات کی وصیت اللہ نے تمہیں کی ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو)

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ﴾[4]

(اور جب بھی تم اللہ سے وعدہ کرو تو تم اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کیا کرو)

شریعت اسلامیہ میں وعدہ کی پاسداری کو دین قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً﴾[5]

(اور تم اللہ کے وعدے کو پورا کیا کرو، بیشک وعدہ کے بارے میں سوال ہو گا)

مندرجہ بالا آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہر چند سورتوں کے بعد ایفائے عہد کی تلقین وارد ہوئی ہے۔ قرآن حکیم میں بعض جگہ تو صراحتًا ایفائے عہد کا تذکرہ (اَوْفُوْا بِالْعَھْدِ) آتا ہے البتہ بعض مقامات پر

---

[1] البقرۃ:40

[2] المائدۃ:1

[3] الانعام:152

[4] النحل:91

[5] بنی اسرائیل:34

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایفائے عہد کا تذکرہ کنایتاً موجود ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں۔ خلاصہ کلام یہ کہ قران حکیم میں جابجا ایفائے عہد کی تلقین و تعلیم موجود ہے جو قارئین کو اس کی بجا آوری کی جانب راغب کرتی ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل، آیت 34 کی تشریح میں امام جصاصؒ، تفسیر جصاص میں فرماتے ہیں کہ

"إِيجَابُ الْوَفَاءِ بِمَا عَاهَدَ اللَّهَ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ النُّذُورِ وَالدُّخُولِ فِي الْقُرَبِ فَأَلْزَمَهُ اللَّهُ تَعَالَى إتْمَامَهَا وَهُوَ كَقَوْلِهِ تَعَالَى وَمِنْهُمْ مَنْ عاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتانا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ فَلَمَّا آتاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ فَأَعْقَبَهُمْ نِفاقاً فِي قُلُوبِهِمْ وَقِيلَ أَوْفُوا بِالْعَهْدِ فِي حِفْظِ مَالِ الْيَتِيمِ مَعَ قِيَامِ الْحُجَّةِ عَلَيْكُمْ بِوُجُوبِ حِفْظِهِ وَكُلُّ ما قامت به الحجة من أوامره وَزَوَاجِرِهِ فَهُوَ عَهْدٌ وقوله تَعَالَى إنَّ الْعَهْدَ كانَ مَسْؤُلًا معناه مسؤلا عَنْهُ لِلْجَزَاءِ فَحُذِفَ اكْتِفَاءً بِدَلَالَةِ الْحَالِ وَعِلْمِ المخاطب بالمراد وقيل إن العهد يسئل فيقال لم نقضت كما تسئل الموؤدة بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ وَذَلِكَ يَرْجِعُ إلَى مَعْنَى الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ تَوْقِيفٌ وَتَقْرِيرٌ لِنَاقِضِ الْعَهْدِ كَمَا أن سؤال الموؤدة تَوْقِيفٌ وَتَقْرِيرٌ لِقَائِلِهَا بِأَنَّهُ قَتَلَهَا بِغَيْرِ ذَنْبٍ"[1]

(ایک انسان اپنے اوپر اللہ کے ساتھ کوئی عہد باندھ لے مثلاً کوئی نذر مان لے یا تقرب الٰہی کی نیت سے کوئی عبادت شروع کر دے اس پر اسے پورا کرنا واجب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عہد کا اتمام اس پر لازم کر دیا ہے۔ ارشاد باری ہے ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہم کو نوازا تو ہم خیرات کریں گے اور صالح بن کر رہیں گے مگر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دولت مند کر دیا تو وہ بخل پر اتر آئے اور اپنے عہد سے ایسے پھرے کہ انہیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔
ایک قول کے مطابق آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یتیم کے مال کی حفاظت کے سلسلے میں اپنے عہد کو پورا کرو جبکہ اس کے مال کی حفاظت کے وجوب کی حجت تم پر قائم ہو چکی ہے" اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کے سلسلے میں جس چیز کی حجت قائم ہو جائے وہ عہد کہلاتی ہے۔ قول باری تعالیٰ ہے بیشک عہد کے بارے میں تمہیں جواب دہی کرنی ہو گی۔ اس کے معنی ہیں "جزاو سزا کے لئے جواب دہی کرنی ہو گی"۔ دلالت حال پر نیز اس کی مراد کے متعلق مخاطب کے علم پر اکتفا کرتے ہوئے اسے محذوف رکھا گیا۔ ایک قول ہے کہ عہد سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کیوں توڑا گیا جس طرح زندہ در گور کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم کی بنا پر قتل کیا گیا تھا۔

[1] جصاص، أحمد بن علي أبو بكر الرازي الحنفي، أحكام القرآن، (بيروت، دار إحياء التراث العربي، 1405ھ)، 5/ 27

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس دوسری تفسیر کا مفہوم بھی پہلی تفسیر کے مفہوم کی طرف راجع ہے اس لئے کہ اس کے ذریعے عہد توڑنے والے کو آگاہ کر دیا گیا ہے اور اس سے بات منوالی گئی ہے جس طرح زندہ در گور کی جانے والی لڑکی سے سوال کے ذریعے اس کے قاتل کو آگاہ کر دیا جائے گا اور اس سے یہ بات منوالی جائے گی کہ اس نے اسے ناحق اور کسی جرم کے بغیر قتل کر دیا تھا)

گویا کہ امام جصاصؒ کے مطابق جب کوئی شخص اللہ کے ساتھ کوئی عہد باندھ لے تو اس پر اسے پورا کرنا واجب ہو گا اور اللہ تعالیٰ نے اس عہد کا اتمام اس پر لازم کر دیا ہے۔ امام جصاصؒ کی تفسیر میں چونکہ فقہی رنگ غالب ہے اسی لیے صاحبِ تفسیر نے ایفائے عہد کے فقہی پہلو کو بیان کرتے ہوئے قارئین کو یہ بتادیا ہے کہ ایفائے عہد کوئی اختیاری شے نہیں ہے بلکہ یہ ایک واجب عمل ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اگر وہ کسی سے کوئی عہد کرے تو وہ اس کو پورا کرے۔ وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے۔ قیامت کے دن وعدے کے ایفاء کے حوالے سے پوچھ ہو گی۔ جن لوگوں نے دنیا میں لوگوں سے وعدہ کرنے کے بعد اگر اس کو پورا نہ کیا تو وہ قیامت کے دن عند اللہ جواب دہ ہونگے۔

سورۃ بنی اسرائیل، آیت 34 کی تشریح میں امام جلال الدینؒ، تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں کہ:

"وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِذَا عَاهَدْتُمْ اللَّه أَوْ النَّاس إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا عَنْهُ "[1]

(اور جب بھی تم اللہ سے یا لوگوں سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کیا کرو، بیشک وعدہ کے بارے میں)

مفتی تقی عثمانی صاحب، انعام الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ:

"بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو ہم سمجھتے ہی نہیں (اہمیت ہی نہیں دیتے) جیسا کہ وعدہ خلافی، جھوٹ اور خیانت ہے۔ چھٹی لینے کے لئے جھوٹا سرٹیفکیٹ بنوالیا، حاضری لگوادی اور بھاگ گیا یعنی دعویٰ کیا کہ میں حاضر ہوں اور حقیقت میں حاضر نہیں۔ وعدہ کیا کہ فلاں کام کرونگا، یہ کروں گا اور یہ نہیں کروں گا وغیرہ۔ لیکن کسی وجہ سے جب اچانک دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہاں سے بھاگو، تو سب کچھ دھرا رہ گیا۔ سارے وعدے اور معاہدے سب غائب۔ دار لعلوم کے قواعد کی پابندی کروں گا لیکن پابندی نہیں رہا۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ جب آدمی کسی ملک کی شہریت اختیار کرتا ہے تو وہ وعدہ کرتا ہے کہ میں ان قوانین کی پابندی کروں گا جو مجھے کسی خلاف شرع امور پر مجبور نہ کریں۔ اگر وہ قانون کسی خلاف شرع امر پر مجبور کر رہا ہے تو اس کی اطاعت واجب نہیں۔ لیکن اگر قانون کوئی ایسی بات کر رہا ہے

[1] المحلي والسيوطي، جلال الدين محمد بن أحمد وجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، تفسير الجلالين، (القاهرة، دار الحديث، 1395ھ)، 1/369

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ اس سے خلاف شرع امر پر آپ کو مجبور نہیں ہونا پڑتا تو اس کی اطاعت واجب ہے اور وعدے میں داخل ہے۔ ٹریفک کے قوانین اور دوسرے قوانین یہ سب اسی وعدے میں داخل ہیں"[1]

مندرجہ بالا نکات میں محترم مفتی تقی عثمانی صاحب نے بہت ہی خوبصورت انداز میں ایفائے عہد کو روزمرہ کی مثالوں کیساتھ منسلک کرکے وعدے کی پاسداری کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔روزمرہ کی زندگی میں ہمارے معاشرے میں ایفائے عہد کے ضمن میں جو کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، مفتی صاحب نے ان کوتاہیوں کو ناصحانہ انداز میں بیان کیاہے اور ان بعض امور کا بھی تذکرہ کیاہے جسے عام طور پر لوگ وعدہ میں شمار نہیں کرتے ہیں۔

صفی الرحمٰن مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ

سیرۃ النبی ﷺ میں میثاق مدینہ کا معائدہ بھی ایفائے عہد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔میثاق مدینہ کا معاہدہ اسوقت پیش آیا جب نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اسوقت مدینہ میں یہودیوں کے تین قبائل :بنو قینقاع، بنو نظیر اور بنو قریظہ آباد تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے دفاعی حکمت عملی کے تحت مدینہ کے تحفظ کے لئے یہودیوں کے ان تینوں قبائل سے معاہدہ کرلئے جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے۔[2]

محترم صفی الرحمٰن مبارکپوری صاحب نے اپنی کتاب میں میثاق مدینہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ایفائے عہد پر بھی روشنی ڈالی ہے اور انہوں نے یہ بیان کیاہے کہ میثاق مدینہ کا معاہدہ یعنی وعدہ دراصل یہود کے قبائل سے تھا۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ وعدہ چاہے مسلمان سے ہو یا کافر سے دونوں صورتوں میں وعدے کی پاسداری لازمی ہے۔

امام غزالیؒ، بدایۃ الہدایۃ میں رقمطراز ہیں:

"انسان اس امر سے بچتا رہے کہ وہ کسی سے وعدہ کرے اور پھر اسے پورا نہ کرے۔ مناسب تو یہ ہے ک ہ تم لوگوں کیساتھ از خود عملی طور پر احسان کا برتاؤ کرتے رہو تاکہ کچھ کہنے یا وعدہ کرنے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ لیکن اگر تم بہ امر مجبوری کوئی وعدہ کرلو تو پھر تم وعدہ خلافی نہ کرو۔ کیونکہ بلا عذر وعدہ خلافی نفاق اور بد خلقی کی علامت ہے ۔حضور کا ارشاد ہے جس شخص میں یہ تین باتیں پائی جائیں وہ منافق ہے ، اگرچہ نماز ،روزہ ادا کرتا ہو۔جب بات کرے جھوٹ بولے۔وعدہ کرکے پورا نہ کرے اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے"[3]

[1] عثمانی، مفتی تقی، انعام الباری (کراچی، مکتبۃ الحراء، بدون سنۃ النشر) 1/ 481

[2] مبارکپوری، صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، (لاہور، المکتبۃ السلفیۃ، 2000ء) 1/ 263

[3] غزالی، ابو حامد، بدایۃ الہدایۃ (کراچی، حنفیہ پاک پبلیکیشنز، بدون سنۃ النشر) 1/ 67

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

مندرجہ بالا نکات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ایفائے عہد کی اہمیت اس قدر ہے کہ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:((لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ))[1](جس شخص میں امانت داری نہیں تو وہ مؤمن نہیں اور جس شخص میں وعدہ کی پاسداری نہیں تو اس کا دین نہیں) گویا کہ دین اسلام میں وعدے کی اہمیت کے پیش نظر وعدے کو دین کو قرار دیا گیا ہے۔ ایفائے عہد کے ثمرات کا اثر انسانی شخصیت کی تعمیر میں بھی ہوتا ہے اور سماج پر بھی ہوتا ہے۔ انسانی شخصیت کی تعمیر پر ایفائے عہد کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایفائے عہد سے انسان کا وقار بلند ہوتا ہے۔ وعدہ پورا کرنے والا شخص قول و قرار کا پابند سمجھا جاتا ہے۔ سماج میں ایسے شخص کو عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی شخصیت کی تعمیر اعلیٰ سطح پر ہوتی ہے اور وعدہ پورا کرنے والا شخص بااصول انسان سمجھا جاتا ہے۔ مزدور سے طے شدہ اجرت کو متعین وقت پر اسکے سپرد کرنا بھی ایفائے عہد میں داخل ہے۔ جسطرح ہم دیگر وعدوں کو پورا کرنے کو اہمیت دیتے ہیں اسی طرح ہمیں مزدوروں کی اجرت کو پورا کرنے کو بھی اہمیت دینی چاہیے۔ ایفائے عہد سے سماجی فوائد یہ حاصل ہوتے ہیں کہ معاشرہ میں سکون و اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ معاشرہ اصولی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور معاشرے میں دینی فضاء قائم ہوتی ہے۔

صبر

صبر کے لغوی معنی ہیں ڈٹ جانا، جم جانا، رکے رہنا۔ تکالیف، آزمائش، مصائب، غم و آلام کے آنے پر اللہ کے حکم پر جمے رہنے کو صبر کہتے ہیں۔ احادیث قدسیہ میں وارد صبر کا سماجی ادب، دراصل درج ذیل قرآن حکیم کی آیات کی تائید و توضیح ہے۔

﴿وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾[2]

(اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے ہوئے تو کہا اے رب ہمارے دلوں میں صبر ڈال دے اور ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور اس کافر قوم پر ہماری مدد کر)

1 البیھقی، أحمد بن الحسین، باب الایفاء بالعقود، ح:4045

2 البقرۃ:250

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۙ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴾[1]

(جو کوئی مصیبت زمین پر یا خود تم پر پڑتی ہے وہ اس سے پیشتر کہ ہم اسے پیدا کریں کتاب میں لکھی ہوتی ہے، بے شک یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے۔ تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو اور جو تمہیں دے اس پر اتراؤ نہیں، اور اللہ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔)

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَه وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾[2]

(اللہ کے حکم کے بغیر کوئی مصیبت بھی نہیں آتی، اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز جاننے والا ہے)

سورۃ تغابن، آیت 11 کی تشریح میں ابن کثیرؒ تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر) میں فرماتے ہیں کہ:

{مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلا بِإِذْنِ اللَّهِ} قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بِأَمْرِ اللَّهِ، يَعْنِي: عَنْ قَدَرِهِ وَمَشِيئَتِهِ. {وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ} أَيْ: وَمَنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ فَعَلِمَ أَنَّهَا بِقَضَاءِ اللَّهِ وَقَدَرِهِ، فَصَبَرَ وَاحْتَسَبَ وَاسْتَسْلَمَ لِقَضَاءِ اللَّهِ، هَدَى اللَّهُ قَلْبَهُ، وَعَوَّضَهُ عَمَّا فَاتَهُ مِنَ الدُّنْيَا هُدًى فِي قَلْبِهِ، وَيَقِينًا صَادِقًا، وَقَدْ يُخْلِفُ عَلَيْهِ مَا كَانَ أَخَذَ مِنْهُ، أَوْ خَيْرًا مِنْهُ.قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: {وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ} يَعْنِي: يَهْدِ قَلْبَهُ لِلْيَقِينِ، فَيَعْلَمُ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ، وَمَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ.[3]

(حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اس کی قدر و مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا، اب جس شخص کو کوئی تکلیف پہنچے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاو قدر سے مجھے یہ تکلیف پہنچی، پھر صبر و تحمل سے کام لے، اللہ کی مرضی پر ثابت قدم رہے، ثواب اور بھلائی کی امید رکھے رضا بہ قضا کے سوا لب نہ ہلائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کی رہبری کرتا ہے اور اسے بدلے کے طور پر ہدایت قلبی عطا فرماتا ہے۔ وہ دل میں یقین صادق کی چمک دیکھتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت کا

1 الحدید:23-22

[2]التغابن:11

[3]ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، (مصر، دار طیبة، 1420ھ) 8/137

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدلہ یا اس سے بھی بہتر دنیا میں ہی عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت علیؓ بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یعنی اللہ اس کے دل کو ایسی ہدایت دیتے ہیں جس سے یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ پس وہ جان لیتا ہے کہ جو پہنچا وہ خطا کرنے والا نہ تھا اور جو نہ پہنچا وہ ملنے والا ہی نہ تھا)

مندرجہ بالا تفسیر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ابن کثیرؒ نے صبر کی ماہیت کو حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے قول کے ذریعہ سے بہت ہی اچھے انداز میں واضح کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی قدرت اور اذن سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے لہذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کے مصائب کے آنے پر بے صبر انہیں ہونا چاہیے کیونکہ جو کچھ مصیبتیں انسان پر آرہی ہیں وہ اللہ کے علم سے باہر نہیں ہیں اور اللہ انسان کو اور اس کی دگر گوں کیفیت کو ہر آن دیکھ رہا ہے۔ مزید یہ کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر کرے تو اللہ اس کے دل کو ہدایت دے دیتے ہیں یعنی صبر کے طفیل اس کے آگے کے معاملات بھی درست اور شریعت کے مطابق ہونگے۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب، کشف الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:
"اس روایت میں ہے کہ بینائی چلی جانے کے بعد آدمی صبر کرلے، ترمذی کی روایت میں ہے کہ "صبر واحتسب" کے الفاظ ہیں یعنی صبر کرلے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر جو اجر وثواب کا وعدہ ہے اس کا استحضار رکھے۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں اس شخص کی اخروی فضیلت بیان فرمائی ہے کس کی بینائی جاتی رہے۔ اس باب میں یہ حدیث امام بخاریؒ نے پہلی بار ذکر مائی ہے اور اس سند کیساتھ یہ حدیث صرف امام بخاریؒ نے ذکر کی ہے، اصحاب ستہ میں سے کسی اور نے نقل نہیں کی۔ "یرید عینیہ" یہ حضرت انسؓ کی طرف سے تفسیر ہے کہ حدیث میں "حبیبتیہ" سے آنکھیں مراد ہیں۔ "حبیبتیہ" دراصل "محبوبۃ" کے معنی میں ہے اور انسان کے جسمانی اعضاء میں آدمی کو آنکھ سے بڑھ کر کیا چیز عزیز اور محبوب ہو سکتی ہے"[1]

محترم سلیم اللہ خان صاحب فرماتے ہیں کہ صبر کرنے پر اللہ کیطرف سے انسان کو جو اجر اور ثواب ملتا ہے تو وہ انسان کو یاد رکھنا چاہیے لہذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر انسان کو یہ معلوم ہو اور وہ اس بات کو ہر لحظہ یاد رکھے کہ مجھے پر جو غم، آلام، دکھ، تکالیف اور مصائب آرہے ہیں اگر ان پر صبر کرونگا تو مجھے اس صبر کرنے پر اللہ کیطرف سے یقینا اجر ملے گا اور یہ وہ اجر ہے جو میرے لئے آخرت میں کام آئیگا جس دن لوگ نیکیوں کو ترس رہے ہونگے۔ اسطرح یقینا انسان کے لئے مصائب پر صبر کرنا آسان ہو جائیگا۔ مزید یہ کہ کتبِ صحاح ستہ میں سے اس سند کیساتھ اس حدیث

[1] سلیم، مولانا سلیم اللہ خان، کشف الباری عمّا فی صحیح البخاری، کتاب المرضیٰ (کراچی، مکتبہ فاروقیہ، 2011ء) 487

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو ذکر کرنے کا اعزاز صرف امام بخاریؒ کو حاصل ہے کیونکہ صحاح ستہ کی دیگر کتب میں یہ حدیث اس سند کیساتھ موجود نہیں ہے۔

مفتی شفیع عثمانی صاحب اپنی کتاب سیرۃ رسول اکرم ﷺ میں لکھتے ہیں کہ:

مختلف غزوات جیسے غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ خیبر اور غزوہ تبوک مسلمانوں کے صبر کی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں نے آٹھ تلواریں، دو گھوڑے، چند نیزوں اور اونٹ کیساتھ جنگ کی۔ غزوہ احد میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ غزوہ خندق میں صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ کیساتھ مل کر چھ دن کی کھدائی کے بعد ایک طویل خندق کھودی۔ غزوہ خیبر میں ایک یہودی پہلوان نے مسلمانوں کو للکارا تو حضرت علیؓ نے اس کا مقابلہ کر کے اسے عبرتناک شکست دی۔ غزوہ تبوک میں وقت کی سپر پاور سلطنت سے مسلمانوں کی جنگ ہونی تھی لیکن مسلمانوں کے رعب و دبدبہ سے رومی فوجیں میدان میں آئی ہی نہیں ۔ غزوہ تبوک میں مسلمانوں کو شدید فاقہ ،طویل سفر اور سواریوں کی قلت کیوجہ سے طویل پیدل چلنے کی مشقت جیسے صبر کے مراحل سے گزرنا پڑا۔[1]

درج بالا اقتباس میں مفتی شفیع عثمانی صاحب نے مختلف غزوات کا ذکر کے صبر کی اہمیت کو اچھے انداز میں واضح کیا ہے۔ جس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے دیگر انبیاءعلیہ سلام کو آزمائشوں کی بھٹی سے گزارا تو اسی طرح نبی اکرم ﷺ کو بھی مختلف طرح کی آزمائشوں سے گزارا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے صبر جمیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود بھی صبر کا طرز عمل اختیار کیا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اسی کی تلقین کی۔ جنگی مہمات میں نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کو جانی نقصان کیساتھ ساتھ افرادی قوت کی کمی، جنگی ہتھیاروں کی کمی اور خوف کا معاملہ اور بھوک سے بھی گزر کر صبر کرنا پڑا۔ یہ مراحل بڑے اچھے انداز میں صبر کا درس دیتے ہیں۔

مولانا ادریس کاندھلوی صاحب اپنی کتاب سیرۃ مصطفی ﷺ میں لکھتے ہیں کہ:

"سیرۃ النبی ﷺ میں شعب ابی طالب کا واقعہ جو سن 6 نبوی میں پیش آیا، یہ واقعہ صبر کی عظیم داستان اپنے اندر سموئے ہوئے تھا کہ کفار نے مسلمانوں کو تین سال تک ایک تنگ گھاٹی میں قید کر دیا۔ شعب ابی طالب کی گھاٹی میں محصوری ، کفار کی ظالمانہ کاروائیوں میں سب سے زیادہ سنگین تھی۔ کفار نے مسلمانوں پر غلّے اور دیگر سامان

---

1 مفتی شفیع، عثمانی، سیرۃ رسول اکرم ﷺ، (کراچی، ادارہ اسلامیات، 1404ھ) 161

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوردونوش کی آمد بند کردی۔ غرضیکہ یہ تین سال مسلمانوں کے سخت فاقہ میں گزارے اور وہ صبر کے سخت مراحل سے گزارے"[1]

گویا کہ نبی اکرم ﷺ کی سیرۃ مبارکہ صبر و مصابرت سے بھری پڑی ہے خواہ شعب ابی طالب کا واقعہ ہو یا میدان جنگ کا یا سفر ہجرت ہو غرضیکہ نبی اکرم ﷺ کی پوری حیات طیبہ صبر جمیل کی اعلیٰ مثال اور عملی تصویر ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو طائف گلیوں میں لہولہان بھی کیا گیا۔ آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کا مذاق بھی اڑا گیا۔ آپ ﷺ کے جانثاروں کو اذیتیں بھی دی گئیں۔ حالتِ نماز میں بھی نبی اکرم ﷺ کو کفار نے نہیں بخشا اور آپ ﷺ پر اوجھڑی ڈالی، غرضیکہ کفار نے آپ ﷺ کو اذیت و مصائب سے دوچار کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان تمام واقعات میں خاص طور پر شعب ابی طالب کا واقعہ مصائب کے لحاظ سے کافی سخت تھا اور یہ واقعتا اپنے اندر صبر کی داستان لئے ہوئے تھا کہ کفار نے صرف دو چار دن نہیں بلکہ تین سال تک مسلمانوں کو اس تنگ اور بے نور گھاٹی میں محصور رکھا جو کہ صبر کی اعلیٰ مثال ہے۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ:

"صبر کے دو حصے ہیں نصف صبر اور نصف شکر جیسا کہ آثار و روایات سے پتہ چلتا ہے۔ نیز یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے دو وصف ہیں اور اسکے اسمائے حسنٰی میں سے دو اسم ہیں یعنی صبور اور شکور۔ صبر اور شکر کی حقیقت سے ناواقف ہونا دراصل ایمان کے دونوں نصف حصوں سے ناواقف ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دو وصفوں سے جاہل رہنا ہے جبکہ ایمان کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا اور ایمان کا راستہ یہ جانے بغیر طے نہیں ہوتا کہ کس چیز پر اور کس ذات پر ایمان لانا ہے۔ جو یہ بات نہیں جانتا وہ صبر اور شکر سے کیسے واقف ہو گا۔"[2]

امام غزالیؒ نے صبر کیساتھ شکر کو منسلک کر کے صبر کی اہمیت کو بہت ہی اچھے انداز میں واضح کیا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ صبر اور شکر دراصل اللہ کے اوصاف میں سے دو وصف ہیں اور یہ دونوں دراصل ایمان کے دو وصف ہیں۔ قرآن حکیم میں بلند درجات کو صبر کیساتھ منسلک کیا گیا ہے اور صبر کا بدلہ بے حساب دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں صابرین کے لئے رحمت، صلوۃ اور ہدایت جیسے انعام بیان ہوئے ہیں وہ عبادت گزاروں کے لئے بیان نہیں ہوئے۔ صبر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو تفصیلی خط لکھا تھا تو اس میں بھی صبر کی پرزور تلقین موجود تھی۔

[1] کاندھلوی، مولانا ادریس، سیرۃ مصطفیٰ ﷺ (کراچی، کتب خانہ مظہری، بدون سنۃ النشر) 1/257

[2] غزالی، ابو حامد، احیاء علوم الدین (کراچی، دارالاشاعت، بدون سنۃ النشر)4/104

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یاسین رشدی، صبر کی اہمیت کے حوالے سے گفتگو فرماتے ہیں کہ:

"Patience is committing oneself to do what the mind and Islamic Law require one to do. Some scholars said: The meaning of patience differs with different situations. If one submits to his Lord when an affliction befalls him it is Sabr (i.e. patience), and it is opposite to discontentment; if one is patient in fighting, it is bravery, and it is opposite to cowardice; if one is patient and tolerates bad things people say about him, it is large-heartedness, and it is opposite to intolerance; and if one abstains from talking, it is discretion, and it is opposite to prattle. All this is called patience." [1]

(صبر سے مراد وہ کام ہے جو ذہن اور اسلامی شریعت کے لیے ضروری ہے۔ بعض اسکالرز نے کہا: صبر کے معنی مختلف حالات کے ساتھ مختلف ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت میں مبتلا ہو کر اپنے رب کا فرمانبردار ہو جائے تو یہ صبر ہے اور یہ ناراضگی کے خلاف ہے۔ اگر کوئی جنگ میں صبر کرے تو یہ بہادری ہے اور بزدلی کے خلاف ہے۔ اگر کوئی صبر کرتا ہے اور برائیوں کو برداشت کرتا ہے جو لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں تو یہ بڑے دل کی بات ہے اور یہ عدم برداشت کے خلاف ہے۔ اور اگر کوئی بات کرنے سے پرہیز کرے تو یہ تدبیر ہے، اور بات کرنے کے خلاف ہے۔ اس سب کو صبر کہتے ہیں۔ مزید بر آں، اپنے رب کی فرمانبرداری اور تمام عبادات کی پابندی، اپنی ذات اور پرہیز گاری کے ساتھ کوشش کرنے پر استقامت گناہوں سے نکلنا سب صبر ہے۔)

گویا کہ دین اسلام میں صبر کی بہت اہمیت ہے۔ صبر کے چار درجے ہیں۔ صبر علی الطاعۃ، صبر عن المعصیۃ، صبر علی البلاء اور صبر عن الدنیا۔ صبر علی الطاعۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرنے پر جب انسان کا نفس یا شیطان انسان کو وسوسہ اندازی کرے تو اس موقع پر انسان اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت پر روکے رکھے، اسے صبر علی الطاعۃ کہا جاتا ہے۔ صبر عن المعصیۃ سے مراد یہ ہے کہ جب انسان کا نفس یا شیطان انسان کو کسی گناہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے تو اس موقع پر انسان اپنے آپ کو اس نافرمانی سے بچانے کے لئے روکے رکھے، اسے صبر عن المعصیۃ کہتے ہیں۔ تکالیف، آزمائشوں اور مصائب کے آنے پر جو صبر کیا جاتا ہے اسے صبر علی البلاء کہتے ہیں۔

دنیاوی رنگینیوں اور چمک دمک پر صبر کر کے آخرت کو ترجیح دینا اور آخرت کے لئے محنت و جدوجہد کر کے دنیا کی رنگینیوں پر صبر کرنا، صبر عن الدنیا کہلاتا ہے۔ صبر کے ثمرات کا اثر انسانی شخصیت کی تعمیر میں بھی ہوتا ہے اور سماج پر بھی ہوتا ہے۔ انسانی شخصیت کی تعمیر پر صبر کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ صبر کرنے والا شخص مصائب کے آنے پر نوحہ نہیں کرتا، واویلا نہیں مچاتا بلکہ وہ صبر جمیل کے ساتھ مصائب سے گزر جاتا ہے۔ صابر شخص باوقار، سمجھ

[1] Yassin Roushdy, Ethics and Morals of Islam (London, Oxford Press,2001) P:226

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دار اور باحوصلہ تصور کیا جاتا ہے۔ سماج میں صبر کرنے والے شخص کو عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور صابر کے صبر کرنے کیوجہ سے سماج میں دیگر لوگوں کو بھی صبر کرنے میں سہولت اور اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اس طرح معاشرہ صحیح بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔

یہ دنیا پھولوں کی سیج نہیں ہے بلکہ یہ دنیا کانٹوں بھرا بستر ہے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ انسان کو مختلف طرح کی آزمائشوں سے گزارتے ہیں مثلاً: کسی سے بینائی لیکر، کسی سے صحت لیکر، کسی کو مفلسی میں مبتلا کر کے، کسی کی روح قبض کرکے وغیرہ۔ جہاں زندگی کے دیگر کے مواقع پر صبر کی ضرورت ہوتی ہے تو اسی طرح کسی کی وفات و انتقال کے موقع پر بھی ہمیں صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اس موقع پر اطمینان بخش اور حوصلہ افزاں کلمات ادا کریں۔ کسی کے انتقال پر زبان سے نازیبا کلمات ادا کرنا یاواویلا مچانا شریعتِ اسلامیہ کی تعلیم نہیں ہے، اسلئے ہمیں اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ غرضیکہ اس دنیا میں ہر کسی کی آزمائش ہو کر رہتی ہے۔ کسی پر آزمائشیں کم آتی ہیں اور کسی پر زیادہ۔ اللہ سے آزمائش مانگنی نہیں چاہیے اور اگر آزمائش آجائے تو اس پر صبر کرنا چاہیے۔

باہمی عداوت سے اجتناب اور محبت کا حصول

کسی سے دشمنی رکھنے کو عداوت کہتے ہیں۔ احادیث قدسیہ میں اللہ کے ولی سے دشمنی اختیار کرنے کو اللہ کی طرف سے اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے۔ احادیث قدسیہ میں وارد اللہ کے ولی سے دشمنی کا سماجی ادب، دراصل درج ذیل قرآن حکیم کی آیت کی تائید و توضیح ہے۔

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[1]

(آگاہ ہو جاؤ! بے شک جو اللہ کے دوست ہیں نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

سورۃ یونس، آیت 62 کی تشریح میں مفتی شفیع عثمانی صاحب، تفسیر معارف القرآن میں فرماتے ہیں کہ:

" آیات مذکورہ میں اولیاء اللہ کے مخصوص فضائل اور ان کی تعریف اور پہچان پھر دنیا و آخرت میں ان کے لئے بشارت کا ذکر ہے، فرمایا کہ اولیاء اللہ کو نہ کسی ناگوار چیز کے پیش آنے کا خطرہ ہو گا اور نہ کسی مقصد کے فوت ہو جانے کا غم، اور اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقوی و پرہیز گاری اختیار کی، ان کے لئے دنیا میں بھی

---

[1] یونس:62

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اس میں چند باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ اولیاء اللہ پر خوف و غم نہ ہونے کے کیا معنی ہیں؟ دوسرے یہ کہ اولیاء اللہ کی تعریف کیا ہے اور ان کی علامات کیا ہیں؟ تیسرے یہ کہ دنیا و آخرت میں ان کی بشارت سے کیا مراد ہے؟ پہلی بات کہ اولیاء اللہ پر خوف و غم نہیں ہوتا، اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ آخرت میں حساب کتاب کے بعد جب ان کو ان کے مقام جنت میں داخل کر دیا جائے گا تو خوف و غم سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات ہو جائے گی، نہ کسی تکلیف و پریشانی کا خطرہ رہے گا نہ کسی محبوب و مطلوب چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم ہو گا، بلکہ جنت کی نعمتیں دائمی اور لازوال ہوں گی"[1]

مفتی شفیع صاحب نے مذکورہ آیات میں اولیاء کی پہچان اور ان کے لئے بشارت کا ذکر کیا ہے۔ حقیقی اولیاء کا یہ وصف ہے کہ انہیں کسی چیز کے ضائع ہونے کا غم نہیں ہوتا۔ وہ دنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اولیاء کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں خوش خبری ہے۔ اولیاء کا یہ خاصہ ہے کہ انہیں کسی بھی محبوب چیز کے نقصان یا فوت کا کوئی غم نہیں ہوتا۔ لہذا جس کسی کو یہ وصف مل جائے تو اسے یقینا بہت بڑا خیر امل گیا۔ دنیا میں سب سے بڑی پریشانی خوف اور غم سے دوچار ہونا ہے۔ اولیاء کو یہ خوبی حاصل ہے کہ اللہ انہیں خوف و غم سے نجات دے دیتے ہیں۔

سورۃ یونس، آیت 62 کی تشریح میں مولانا عبد الرحمن کیلانی صاحب، تیسیر القرآن میں فرماتے ہیں کہ:

اولیاء اللہ کے لئے بشارت: خوف کا لفظ کسی پیش آنے والے خطرہ کے لیے اور غم کا لفظ ماضی میں کسی چھن جانے والی نعمت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس بشارت کا اطلاق دونوں جہانوں میں ہوتا ہے یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ان اولیاء اللہ کا اپنے پروردگار پر اس قدر بھروسہ ہوتا ہے کہ انھیں نہ تو کسی چیز کا خوف خوفزدہ کر سکتا ہے اور نہ ہی انھیں ایسا غم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی سابقہ زندگی اللہ سے غفلت اور بیکار کاموں میں گزاری ہے یہی صورت آخرت میں بھی ہوگی انھیں نہ اس دن کی ہیبت، ہیبت زدہ کرے گی نہ پیاس ستائے گی اور نہ ہی اور کسی قسم کے دکھ یا عذاب کا خطرہ ہوگا اور نہ دنیا میں گزاری ہوئی زندگی کے متعلق کچھ حسرت اور ندامت ہوگی نہ کسی مطلوب چیز کے چھن جانے کا افسوس ہوگا۔"[2]

مولانا عبد الرحمن کیلانی صاحب، خوف اور غم کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خوف کا تعلق مستقبل میں آنے والے کسی خطرے سے ہوتا ہے جبکہ غم کا تعلق ماضی میں کسی چیز کے چھن جانے سے ہوتا

[1] عثمانی، مفتی شفیع، معارف القرآن (کراچی، مکتبہ معارف القرآن، 2008ء) 4/546

[2] کیلانی، مولانا عبد الرحمن، تیسیر القرآن (لاہور، مکتبہ السلام، 1432ھ) 2/311

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ یہ دونوں بشارتیں اور سعادتیں اولیاء کو حاصل ہیں اور یہ بشارت اولیاء کو دنیا اور آخرت دونوں میں حاصل ہے۔ دنیا میں اولیاء کو خوف نہ ہونے کیوجہ یہ ہے کہ اولیاء کو اللہ پر کامل اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اولیاء کو غم نہ ہونے کیوجہ یہ ہے کہ اولیاء کی ماضی کی زندگی کسی بیکار یا غفلت کے کاموں میں نہیں گذری ہے اسلئے اولیاء کو غم سے بھی نجات مل گئی ہے۔

ملا علی قاریؒ، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں فرماتے ہیں کہ:

"الولی هو من تولى الله أمره فلا يكله إلى نفسه لحظة وهو يتولى الصالحين ، وهو المتولي عبادة الله وطاعته على التوالي بلا تخلل عصيان، والأول يسمى: مرادا ومجذوبا سالكا، والثاني: مريدا وسالكا مجذوبا، واختلف أيهما أفضل، وفي الحقيقة كل مراد مريد، وكل مريد مراد، وإنما التفاوت في البداية والنهاية، والعناية والرعاية (فقد آذنته) : بالمد أي: أعلمته (بالحرب) : أي: بمحاربتي إياه لأجل وليي، أو بمحاربته أي يعني: فكأنه محارب لي، وهذا يدل على ما في هاتين الخصلتين من عظم الخطر، إذ محاربة الله للعبد تدل على سوء خاتمته، لأن من حاربه الله لا يفلح أبدا" [1]

(ولی اللہ وہ بندہ ہے جس کا والی اللہ ہو گیا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اسے اس کے نفس کے سپرد نہیں کرتا بلکہ خود اس سے صالح کام لیتا ہے اور وہ ایک ایسا بندہ ہے جو کہ خود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مسلسل اطاعت کا متولی ہو جائے اور گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ ولی کی پہلی قسم کا نام مجذوب یا مراد ہے اور دوسری قسم کا نام سالک یا مرید ہے۔ انہی صرف دو اعمال پر اتنی سخت وعید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں امر بہت ہی خطرناک ہیں کیونکہ جب اللہ کسی بندے سے جنگ کرے گا تو اس کا خاتمہ بہت برا ہو گا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سے جنگ کرنے والا کبھی فَلاح نہیں پا سکتا)

ملا علی قاریؒ نے ولی اللہ کی ایک منفرد اور اچھی تعریف بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا والی اللہ ہو اسے ولی اللہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ولی اللہ کو اس کے نفس کے سپرد نہیں کرتے ہیں اور اللہ اسے مسلسل عبادت اور اطاعت میں رکھتے ہیں اور اسے گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جو شخص اللہ کے کسی ولی سے دشمنی اختیار کرے تو اللہ کیطرف سے اس شخص کے لئے اعلان جنگ ہے یعنی یہ بہت ہی خطرناک بات ہے کیونکہ ایس شخص کا انجام بہت ہی برا ہو گا اور وہ شخص کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ:

[1] ملّا علی قاری، اَبو الحسن نور الدین الهروي، 5/40

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"یہ جاننا چاہیے کہ اللہ کے لئے کسی سے محبت کرنا اور دین کی بنیاد پر رشتہ اخوت قائم کرنا افضل ترین اطاعت ہے لیکن اس محبت اور رشتہ اخوت کی کچھ شرائط و آداب ہیں جن کی تکمیل کے بعد ہی آدمی فی اللہ (اللہ کے لئے محبت کرنے والا) کے لقب کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر یہ شرائط و آداب ملحوظ رہیں تو اخوت کا رشتہ تمام کدورتوں سے پاک وصاف رہے اور شیطانی وسوسے اس پر اثر انداز نہ ہوں، دوستی اور اخوت کے حقوق کی ادائیگی اور شرائط کی پابندی سے انسان اللہ کے قرب کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کرتا ہے۔ یہ جاننا چاہیے کہ محبت خوش خلقی کا ثمرہ ہے اور افتراق بد خلقی کا نتیجہ ہے۔ حسن اخلاق سے محبت بڑھتی ہے، یگانگت پیدا ہوتی ہے اور دوری قربت میں بدل جاتی ہے۔"[1]

گویا کہ دین اسلام میں اللہ کے ولی سے دشمنی ناپسندیدہ عمل ہے۔ ولی اللہ کا دوست ہوتا ہے اور وہ اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ ولی سے دشمنی ایک خطرناک عمل ہے کیونکہ حدیث قدسی میں ولی سے دشمنی اختیار کرنے پر اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ آج کے معاشرے میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کون شخص حقیقی ولی ہے یا بہروپیا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں بعض بے دین لوگ بھی جعلی ولی یا پیر بن کر بیٹھے ہوئے ہیں جو کہ نہ تو نماز پڑھتے ہیں ،نہ روزے رکھتے ہیں، نہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور شریعت کے احکام کو بجالاتے ہیں۔ مذکورہ آیات اور حدیث میں حقیقی ولی کا تذکرہ ہے نہ کہ جعلی ولی یا پیر کا۔ حقیقی ولی سے دشمنی کے کچھ نقصانات بھی ہیں۔ انسانی شخصیت پر ولی سے دشمنی کے نقصانات یہ ہیں کہ جب کوئی شخص اللہ کے ولی سے دشمنی اختیار کرتا ہے تو اس کے اندر آہستہ آہستہ دین سے دوری اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ بے دین ہو جاتا ہے اور اس کے نزدیک ہر دیندار شخص حقیر اور بے وقعت ہوتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ ایسا شخص دین کو ہی بے وقعت سمجھنے لگتا ہے۔

حقیقی ولی سے دشمنی کے سماج پر بھی اثرات پڑتے ہیں جس معاشرے میں حقیقی ولی سے دشمنی ہوتی ہے اس معاشرے میں دینی فضاء برقرار نہیں رہ پاتی اور بے دینی عام ہو جاتی ہے، دینداروں، علماء، فقہاء محدثین، مشائخ اور صلحاء کی بے وقعتی اور توہین کی جاتی ہے۔ چونکہ اللہ سے دشمنی کی بناء پر اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہوتا ہے لہذا وہ معاشرہ اللہ کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جسطرح دین اسلام میں اللہ کے ولی سے دشمنی کی ممانعت ہے اسی طرح صالحین، علماء اور عام مسلمانوں سے بھی دشمنی کی ممانعت ہے۔

اسلام دشمنی کے بجائے محبت و اخوت کو پسند کرتا ہے اور اسی کی تعلیم دیتا ہے اور اہل ایمان کے درمیان محبت کو قائم رکھنے کے کئی طریقہ ہیں اور ان میں سے ایک طریقہ باہمی ملاقات بھی ہے یعنی انسان محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کے لئے جایا کرے اسے بھی اہل ایمان کے مابین محبت بڑھتی ہے۔ اہل ایمان

[1] غزالی، احیاء علوم الدین، 2/251

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے مابین محبت کو بڑھانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں پر مال خرچ کرنا، غرباء اور مساکین کی مالی ضروریات کو پورا کرنا، انکی مالی مشکلات میں حتی الامکان مدد کرنا، فاقہ کشوں کو کھانا کھلانا، پیاسوں کو پانی پلانا، ان امور کو سرانجام دینے سے اہل ایمان کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح اگر ہمارے دوست، احباب، پڑوسی اور جاننے والوں میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو ہمیں انکی عیادت بھی کرنی چاہیے۔عیادت کرنے سے بھی محبت بڑھتی ہے۔

حسن ظن

اچھا گمان کرنے کو حسن ظن کہتے ہیں۔احادیث قدسیہ میں وارد حسن ظن کا سماجی ادب، دراصل درج ذیل قرآن حکیم کی آیت کی تائید و توضیح ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾[1]

(اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو، کیوں کہ بعض گمان تو گناہ ہیں)

﴿لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾[2]

(جب تم نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لوگوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے)

سورۃ نور، آیت 12 کی تشریح میں سید قطب شہیدؒ تفسیر فی ظلال القرآن میں فرماتے ہیں کہ:

"جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے؟ ہاں یہ درست ہے کہ اہل ایمان سنتے ہی یہ کہہ دیتے۔ وہ اپنے بھائیوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لیتے تو یہ ان کے لیے اچھا ہوتا۔ اور یہ فرض کر لیتے کہ ایک مسلمان اس قدر گندے کام میں ملوث نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کے نبی کی پاک بیوی اور ان کے بھائی مسلم۔ یہ تو خود ان میں سے تھے۔ نہ حضرت نبی ﷺ کی حریم اور نہ اس صحابی کے ساتھ یہ بات لائق تھی جو انہوں نے سنی۔ ان کو حسن ظن کا معاملہ رکھنا چاہیے تھا جیسا کہ ابو ایوب خالد ابن زید انصاری اور ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔ امام ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ ابو ایوب کو اس کی بیوی ام ایوب نے کہا تم سنتے نہیں ہو کہ لوگ حضرت عائشہؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

[1] الحجرات:12

[2] النور:12

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس نے کہاہاں میں بھی سنتا ہوں لیکن یہ جھوٹ ہے۔ ام ایوب کیا تم ایسا کرتی ہو؟ تو اس نے کہا نہیں خدا کی قسم میں تو ہر گز ایسا نہ کرتی۔ تو پھر عائشہ تو تم سے بہتر ہیں۔"[1]

سید قطب شہیدؒ حسن ظن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائیوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ جہاں تک واقعہ افک کا معاملہ ہے تو اس واقعہ کے بارے میں سننے والے لوگوں کو چاہیے تھا کہ انہیں شروع میں ہی حسن ظن کے تحت یہ مفروضہ قائم کر لینا چاہیے تھا کہ اہل ایمان تو اس طرح کے برے کاموں میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتے۔ پھر ابو ایوب اور اُمّ ایوب کے واقعہ کے ذریعہ سے حسن ظن کو منطقی انداز میں بہت ہی اچھے طریقہ سے واضح کیا ہے۔

سورۂ نور، آیت 12 کی تشریح میں سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، تفسیر تفہیم القرآن میں فرماتے ہیں کہ:
"یہ بات تو قابل غور بھی نہیں تھی اور اسے تو سنتے ہی ہر مسلمان کو سراسر جھوٹ اور کذب و افتراء کہہ دینا چاہیے تھا۔ ممکن ہے کوئی شخص یہاں یہ سوال کرے کہ جب یہ بات تھی تو خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق نے اسے کیوں نہ اول روز ہی جھٹلا دیا اور کیوں انہوں نے اسے اتنی اہمیت دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر اور باپ کی پوزیشن عام آدمیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اگرچہ ایک شوہر سے بڑھ کر کوئی اپنی بیوی کو نہیں جان سکتا اور ایک شریف و صالح بیوی کے متعلق کوئی صحیح الدماغ شوہر لوگوں کے بہتانوں پر فی الواقع بد گمان نہیں ہو سکتا، لیکن اگر اس کی بیوی پر الزام لگا دیا جائے تو وہ اس مشکل میں پڑ جاتا ہے کہ اسے بہتان کہہ کر رد کر بھی دے تو کہنے والوں کی زبان نہ رکے گی، بلکہ وہ اس پر ایک اور ردّا یہ چڑھائیں گے کہ بیوی نے میاں صاحب کی عقل پر کیسا پردہ ڈال رکھا ہے، سب کچھ کر رہی ہے اور میاں یہ سمجھتے ہیں کہ میری بیوی بڑی پاک دامن ہے۔ ایسی ہی مشکل ماں باپ کو پیش آتی ہے۔ وہ غریب اپنی بیٹی کی عصمت پر صریح جھوٹے الزام کی تردید میں اگر زبان کھولیں بھی تو بیٹی کی پوزیشن صاف نہیں ہوتی۔ کہنے والے یہ کہیں گے کہ ماں باپ ہیں، اپنی بیٹی کی حمایت نہ کریں گے تو اور کیا کریں گے۔"[2]

مولانا مودودی صاحب نے واقعہ افک کے ضمن میں حسن ظن کو منطقی انداز میں بیان کیا ہے۔ مولانا صاحب نے یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کو واقعہ افک کے بارے میں سنتے ہی فوراً یہ کہہ دینا چاہیے تھا کہ یہ تو سراسر جھوٹ، افتراء اور کذب ہے یعنی اہل ایمان کو چاہیے تھا کہ وہ اس معاملہ کو کذب اور افتراء کہتے۔ اگرچہ نبی اکرم ﷺ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ انکی زوجہ محترمہ سے ہر گز اس امر کا ارتکاب ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح

---

[1] قطب، سید شہید، تفسیر فی ظلال القرآن (لاہور، ادارہ منشورات اسلامی، 1997ء) 4/875

[2] مودودی، سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، 2012) 3/368

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی اچھی طرح اس بات کو جانتے تھے کہ انکی صاحبزادی سے اس طرح کے عمل کا صدور ہر گز ممکن نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا سکوت فرمانا بغرضِ حکمت تھا، البتہ اس موقع پر مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ وہ حسن ظن کیوجہ سے فوراً اس کی نفی کر دیتے۔

مولانا محمد زکریا اقبال، تفہیم المسلم شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

"اس حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ میں اپنے بندوں کے گمان کے مطابق ان سے معاملہ کرتا ہوں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں (اللہ) اس پر قادر ہوں کہ میرا بندہ جو گمان مجھ سے رکھے میں اس کے گمان کو پورا کر گزروں۔ کرمانی شارح بخاریؒ نے فرمایا کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ بندہ کو رجاء خوف میں سے رجاء کی حالت کو زیادہ پیش نظر رکھنا چاہیے (تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی رجاء کے مطابق اس سے معاملہ فرمائے)۔ بعض نے فرمایا ہے کہ بندہ کے گمان سے مراد توبہ یا دعا کی قبولیت کے وقت کا گمان ہے یعنی دعا و توبہ کے وقت اگر بندہ کا گمان قبولیت کا ہو تو قبول کرتا ہوں اور اگر وہ عدم قبولیت کا گمان رکھے تو ویسا ہی کرتا ہوں۔ البتہ اپنی نافرمانی اور گناہوں پر اصرار کیساتھ مغفرت کا گمان کئے رہنا اور اسی کے سہارے گناہ کرتے رہنا اس میں داخل نہیں (واللہ اعلم)۔" [1]

مندرجہ بالا حدیث میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گمان کے مطابق ہی لوگوں کیساتھ معاملہ فرماتے ہیں یعنی اگر لوگ اللہ کیساتھ اچھا گمان رکھیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کیساتھ اچھا معاملہ فرمائیں گے اور اگر لوگ اللہ کیساتھ برا گمان رکھیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کیساتھ برا معاملہ فرمائیں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز پر بھی قادر ہے کہ انسان کے برے گمان کیوجہ سے اس کیساتھ اس کے گمان کے مطابق ہی فیصلہ فرمائیں۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کیساتھ ہمیشہ اچھا گمان رکھیں۔
نبی اکرم ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں حسن ظن اور بدگمانی کو سمجھنے کے لئے حضرت صفیہؓ اور نبی اکرم ﷺ کا راستہ سے گزرنے والا واقعہ بہترین مثال ہے جو کہ درج ذیل ہے:

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ الحُسَيْنِ، أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزُورُهُ، وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي المَسْجِدِ، فِي العَشْرِ الغَوَابِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً مِنَ العِشَاءِ، ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ، فَقَامَ مَعَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْلِبُهَا، حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ بَابَ المَسْجِدِ، الَّذِي عِنْدَ مَسْكَنِ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَرَّ بِهِمَا رَجُلاَنِ

[1] اقبال، محمد زکریا، تفہیم المسلم (کراچی، دار الاشاعت، بدون سنۃ النشر) 3/933

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

مِنَ الأَنْصَارِ، فَسَلَّمَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَفَذَا، فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «عَلَى رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ» قَالاَ: سُبْحَانَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا مَا قَالَ: «إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ ابْنِ آدَمَ مَبْلَغَ الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا»)[1]

(علی بن حسین سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا نے انہیں خبر دی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملنے آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کئے ہوئے تھے۔ عشاء کے وقت تھوڑی دیر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کیں اور واپس لوٹنے کے لئے اٹھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں چھوڑآنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جب وہ مسجد کے اس دروازہ کے پاس پہنچیں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا، تو ادھر سے دو انصاری صحابی گزرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور آگے بڑھ گئے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاؤ۔ یہ صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا میری بیوی ہیں۔ ان دونوں صحابہ نے عرض کیا۔ سبحان اللہ، یارسول اللہ۔ ان پر بڑا شاق گزرا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے، اس لئے مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دل میں کوئی شبہ نہ ڈال دے)

مندرجہ بالا واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامنے والے کو ہمارے کسی طرز عمل کے بارے میں صحیح آگاہی نہ ہو رہی ہو تو اس طرح اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ کسی بدگمانی کا شکار بھی ہو سکتا ہے لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اس شخص کی بدگمانی کو دور کریں۔ جیسے کہ رات کے وقت جب دو صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ کو ایک خاتون کیساتھ دیکھا تو ان دو صحابہ کے دل و دماغ میں شیطان بدگمانی پیدا کر سکتا تھا کہ یہ پتا نہیں کون خاتون ہیں، رات کے وقت اور یہ بھی معلوم نہیں کہ آیا یہ نبی اکرم ﷺ کی محرم ہیں یا نامحرم۔ مزید یہ کہ نبی اکرم ﷺ ان خاتون کیساتھ پتا نہیں کس وجہ سے جا رہے ہیں۔ لہذا اس تناظر میں پوشیدہ مسائل کو بھانپ کر نبی اکرم ﷺ نے سوئے ظن کے اندیشہ کو حسنِ خوبی سے رفع فرمایا اور صحابہ کو واضح فرما دیا کہ یہ میری زوجہ صفیہؓ ہیں۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ، فرماتے ہیں کہ:

[1] بخاری، محمد بن إسماعیل،، بَابُ التکبیر والتسبیح عند التعجب، ح:6219

www.KitaboSunnat.com

"سیرۃ صحابہ میں حضرت ابو درداءؓ کے نکاح کے واقعہ میں بھی حسن ظن کی خوبصورت مثال موجود ہے۔ حضرت ثابت بنانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابودرداءؓ، حضرت سلمان فارسیؓ کیساتھ قبیلہ بنولیث کی ایک عورت سے حضرت سلمان فارسی کی شادی کا پیغام دینے گئے اور وہ حضرت سلمان فارسیؓ کے فضائل اور اُنکے اسلام لانے کے واقعات بڑی تفصیل سے بیان کرنے لگے اور اُنہیں بتایا کہ سلمان فارسیؓ اُنکی فلاں لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اُن لوگوں نے کہا کہ سلماں فارسی سے شادی کرنے کو تو ہم تیار نہیں ہیں البتہ آپ سے یعنی حضرت ابودرداءؓ سے نکاح کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ وہ اُس لڑکی سے شادی کرکے باہر آئے اور حضرت سلمان فارسیؓ سے کہا، اندر کچھ ایسی بات ہوئی ہے کہ اُسے بتاتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔ بہرحال حضرت ابو درداء نے اُنہیں ساری بات بتائی یہ سن کر حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا یہ تو مجھے آپ سے شرمانا چاہیے کیونکہ میں اُس لڑکی کو شادی کا پیغام دے رہا تھا جو اللہ نے آپکے مقدر میں لکھی ہوئی تھی۔"[1]

حضرت ابو درداءؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے مندرجہ بالا واقعہ میں حسن ظن کا طریقہ اور اہمیت اچھی طرح واضح ہو رہی ہے۔ جب حضرت ابودرداءؓ، سلمان فارسیؓ کے نکاح کا پیغام لے کر قبیلہ بنولیث کے گھر گئے ہیں اور انہوں نے ان گھر والوں سے اس بات کا تذکرہ کیا کہ میرا دینی بھائی سلمان فارسی آپ کی فلاں لڑکی سے رشتہ کرنا چاہتا ہے تو ان گھر والوں نے کہا کہ سلمان فارسی سے تو ہم اپنی بیٹی کا نکاح کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں البتہ ہم آپ سے اپنی بیٹی کا نکاح کرنے کے لئے تیار ہیں تو پھر حضرت ابو درداءؓ بھی ان کی بیٹی سے نکاح کے لئے تیار ہو گئے اور اسی دوران گھر کے اندر ان کا نکاح ہو گیا اور پھر باہر آکر حضرت ابو درداءؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو بتایا کہ اندر تو میں آپ کے نکاح کی بات کرنے کے لئے گیا تھا لیکن وہاں تو آپ کے بجائے میرا نکاح ہو گیا۔ اب یہ وہ موقع تھا جس میں حضرت سلمان فارسیؓ کے اندر سوئے ظن پیدا ہونے کا امکان ہو سکتا تھا مگر اس نازک مرحلہ میں بھی انہوں نے سوئے ظن کے بجائے حسن ظن سے کام لیا، جو کہ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

امام غزالیؒ، احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ:

"بدزبانی کیطرح بدگمانی بھی حرام ہے یعنی جس طرح یہ جائز نہیں کہ تم اپنی زبان سے کسی دوسرے کے عیوب بیان کرو اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ تمہارے دل میں کسی کے متعلق غلط خیال آئے یا اس کی طرف سے بدگمان ہو۔ بدگمانی سے ہماری مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو قصداً برا نہ سمجھنا چاہیے البتہ خواطر اور حدیث نفس کے طور پر اگر کسی کی برائی کا خیال دل میں آجائے تو یہ معاف ہے بلکہ شک بھی معاف ہے۔ ممنوع ظن ہے اور ظن نام ہے دل کے

1 حیاۃ الصحابہ (کراچی، دارالاشاعت، 2003ء) 2/851

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میلان اور قصد کا۔ اسی ظن کی ممانعت سورۃ الحجرات میں وارد ہوئی ہے۔ سوءِ ظن کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ دلوں کے اسرار سے علام الغیوب کے علاوہ کوئی واقف نہیں ہے۔ اسلئے کسی بندے کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کے متعلق اپنے دل میں غلط خیال جمائے۔"[1]

امام غزالیؒ نے بڑے ہی حکیمانہ انداز میں بدگمانی کی قباحت اور حسن ظن کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس طرح زبان سے کسی کی برائی کرنا جائز نہیں اسی طرح دل میں بھی کسی کے بارے میں غلط اور برا خیال لانا درست نہیں ہے۔ البتہ اگر از خود کسی کے بارے میں برا خیال آجائے تو وہ معاف ہے۔ سوئے ظن چونکہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور اس طرح کی وسوسہ اندازی شیطان ہی کا کام ہے کہ وہ دلوں کے اندر فسق و فجور پر مبنی خیالات ڈالتا رہتا۔ یہ خیالات چونکہ فسق پر مبنی ہوتے ہیں اور فاسق کی خبر تو ویسے بھی اسلام میں معتبر نہیں ہے۔ بعض واقعات میں خیر اور شر دونوں کے امکانات موجود ہوتے ہیں لہذا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اس میں سے شر کا پہلو لے کر سوئے ظن کر کے گناہ کے مرتکب ہوں۔

ڈاکٹر جہانگیر حسن مصباحی صاحب اپنے آرٹیکل میں فرماتے ہیں کہ:

"حسن ظن ایک ایسی خوبی ہے جس کی معنویت وافادیت سے ہم چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکتے، اگر ہم حسن ظن کو دل سے اپنالیں تو اِس میں دورائے نہیں کہ ہم دینی اور دنیوی ہر طرح کے اختلافات و اِتہامات سے پاک وصاف ہو جائیں، کیوں کہ حسن ظن نہ صرف مسلمانوں کا ایمانی زیور ہے، بلکہ یہ آپسی ہم آہنگی، صلح و مصالحت، اتفاق و اتحاد اور معاشرت انسانی کی صلاح و فلاح کے لیے ناگزیر بھی ہے۔ بدگمانی سے بچنے کا واضح مطلب ہے کہ ہم خود کو حسن ظن سے آراستہ کریں ورنہ اس کا اثر یہ ہوگا کہ نہ ہم اپنے اندر پیدا ہونے والے انتشار واختلاف کو روک پائیں گے اور نہ ہی انسانی معاشرے کی صالح تعمیر کر پائیں گے، جب کہ نفس کا تزکیہ اور معاشرے کی صالح تعمیر و تشکیل ہماری دینی اور دنیوی دونوں ذمہ داری ہے۔"[2]

گویا کہ دین اسلام میں حسن ظن کی بہت اہمیت ہے۔ اسلام نے حسن ظن کی تلقین کی ہے اور سوئے ظن سے منع فرمایا ہے۔ حسن ظن سے مراد اچھا گمان کرنا ہے اور سوئے ظن سے مراد برا گمان کرنا ہے۔ حسن ظن کی ضد سوئے ظن ہے۔ حسن ظن سے اہل ایمان کے دلوں میں محبت برقرار رہتی ہے اور سوئے ظن سے اہل ایمان کے

[1] غزالی، ابو حامد، احیاء علوم الدین، 3/237-236

[2] مصباحی، ڈاکٹر جہانگیر حسن، حسن ظن تعمیر انسانیت اور صالح معاشرے کی بنیاد، میثاق (ج 69، شمارہ 2، فروری 2020) ص: 74- 73

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

دلوں میں نفرت و کدورت پیدا ہوتی ہے۔ حسن ظن کے انسانی شخصیت کی تعمیر میں گہرے اثرات پڑتے ہیں۔ انسانی شخصیت کی تعمیر میں حسن ظن کا اثر یہ ہوتا ہے کہ حسن ظن سے دو مؤمنین کے درمیان محبت قائم رہتی ہے اور حسن ظن رکھنے والے کا وقار بلند رہتا ہے اور وہ سکون میں رہتا ہے۔ سماج میں حسن ظن کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں حسن ظن سے معاشرے میں محبت قائم رہتی ہے اور مؤمنین کے دل آپس میں جڑے رہتے ہیں۔ حسن ظن کے ذریعہ سماج، انتشار سے بچ جاتا ہے۔

فحش باتوں سے اجتناب

بیہودہ باتیں جو شرم و حیا کے خلاف ہوں اُنہیں فحش باتیں کہتے ہیں۔ قرآن و سنت میں فحش باتوں سے اجتناب کی تلقین وارد ہوئی ہے۔ احادیث قدسیہ میں وارد فحش باتوں سے اجتناب کا سماجی ادب، دراصل درج ذیل قرآن حکیم کی آیات کی تائید و توضیح ہے۔

﴿اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[1]

(شیطان تمہیں تنگدستی کا وعدہ دیتا ہے اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے، اور اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے، اور اللہ بہت کشائش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے)

﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۗ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[2]

(اور جب کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اسی طرح اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے بھی ہمیں یہ حکم دیا ہے، کہہ دو بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں کرتا، اللہ کے ذمہ وہ باتیں کیوں لگاتے ہو جو تمہیں معلوم نہیں)

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾[3]

---

[1] البقرہ:268

[2] الاعراف:28

[3] الانعام:151

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(اور تم بے حیائی کے ظاہر اور پوشیدہ کاموں کے قریب نہ جاؤ)

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴾[1]

(اور البتہ اس عورت نے تو اس پر ارادہ کر لیا تھا، اور اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا تو اس کا ارادہ کر لیتا، اسی طرح ہوا تا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو ٹال دیں، بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا)

﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۔۔۔۔۔﴾[2]

(اور وہ بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے منع کرتا ہے)

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾[3]

(اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾[4]

(اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پر نہ چلو، اور جو کوئی شیطان کے قدموں پر چلے گا سو وہ تو اسے بے حیائی اور بری باتیں ہی بتائے گا)

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾[5]

(بے شک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے)

مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فحش باتیں اور بے حیائی قابل مذمت عمل ہے اور قرآن حکیم میں اسکی شدید ممانعت بیان ہوئی ہے۔ اسلام حیاء کی تعلیم دیتا ہے اور اس کے فروغ کو ابھارتا ہے۔ لہذا ہمیں فحش باتوں اور بے حیائی کے کاموں سے منع کرتا ہے۔

سورۃ انعام، آیت 151 کی تشریح میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی صاحب، تفسیر ماجدی میں فرماتے ہیں کہ:

---

[1] یوسف:24
[2] النحل:90
[3] بنی اسرائیل:32
[4] النور:21
[5] عنکبوت:45

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"الفواحش کے معنی بہت وسیع ہیں۔ تنہا زناکاری کے نہیں، بدکاری، بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں اس کے اندر آ گئیں، پھر "لا تقربوا"۔ کی تعمیم "یعنی اس کے قریب بھی نہ جاؤ"۔ اور پھر "ما ظھر منھا وما بطن" نے تو تعمیم کی حد ہی کر دی۔ بے حجابی، لباس میں بے ستری وغیرہ کی تمام خفی صورتیں خواہ پبلک میں ہوں یا پرائیویٹ ہوں، یکساں حرام قرار پا گئیں، چہرے پر پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ لگا کر، بن سنور کر، نیم برہنہ لباس پہن کر، خوشبوئیں لگا کر، عورتوں کا آزادی کے ساتھ بے تکلف باہر نکلنا، مردوں کے مجمع میں چلنا پھرنا، سیمینار اور تھیٹر میں گندے نظاروں سے لطف اندوز ہونا، آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں دیکھنا، غرض تہذیب جدید کے سارے جاہلی عنصر اس آیت کی رو سے حرام ٹھیرے جاتے ہیں۔"[1]

مولانا عبد الماجد دریا آبادی صاحب نے لفظ "فواحش" کے معنی پر گہری روشنی ڈالی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ فواحش میں محض زناکاری اور بدکاری نہیں آتی بلکہ فحاشی کی تمام صورتیں اس میں داخل ہیں اور آیت مذکورہ میں فحاشی کے بالکل بھی قریب جانے سے منع کر دیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ فحاشی کی تمام ظاہری و باطنی تمام صورتوں سے منع کر دیا گیا ہے اور یہ دونوں صورتیں یکساں طور پر حرام ہیں۔ خواتین کا بغیر حجاب کے میک اپ کر کے نکلنا اور نامحرموں کو دکھانا یہ بھی جائز نہیں ہے۔

سورۃ انعام، آیت 151 کی تشریح میں مولانا عبد السلام بھٹوی صاحب، تفسیر القرآن الکریم میں لکھتے ہیں کہ:

"اَلْفَاحِشَةُ، اَلْفَحْشَاءُ، اَلْفَحْشُ کا معنی ہے ہر وہ قول یا فعل جو قباحت میں بہت بڑھا ہوا ہو، مثلاً زنا، شدید بخل وغیرہ۔ اس لیے اس کا ترجمہ بے حیائی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہر کام کو خواہ ظاہر ہو، جیسے سب کے سامنے زنا یا قوم لوط کی حرکتیں کرنا، یا پوشیدہ، مثلاً چھپ کر زنا اور چوری وغیرہ کرنا، انھیں حرام قرار دیا۔ اس مقام پر ایسے ہر کام کے قریب جانے کو بھی حرام قرار دیا، جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں زنا کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا، کیونکہ قریب جانا ہی گناہ کے ارتکاب کا باعث بنتا ہے۔"[2]

مولانا عبد السلام بھٹوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہر وہ قول و فعل جس کا قبیح ہونا بڑھ چکا ہو وہ فحش کے معنی میں داخل ہے اسی لئے اسکا ترجمہ بے حیائی کرتے ہیں۔ ایسا ہر کام جو بے حیائی پر مبنی ہو خواہ وہ ظاہر ہو یا مخفی، دونوں صورتوں میں اسے حرام قرار دیا گیا ہے جیسے ظاہراً گناہ کرنا یا چھپ کر، عملِ قومِ لوط وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] دریا آبادیؒ، مولانا عبد الماجد، تفسیر ماجدی (لاہور، پاک کمپنی، بدون سنۃ النشر) 358

[2] بھٹویؒ، مولانا عبد السلام، تفسیر القرآن الکریم (لاہور، دار الاندلس، بدون سنۃ النشر) 1/ 597

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے ان گناہ کے کاموں کے قریب جانے سے بھی منع کر دیا ہے کیونکہ گناہ کے ارتکاب کا اندیشہ اسی وقت ہوتا ہے جب انسان گناہ کے قریب جاتا ہے۔

غلام رسول سعیدی صاحب، شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

"حیاء، حیاۃ سے ماخوذ ہے۔ایک سے زمین کی زندگی ہے اور دوسری سے دل کی زندگی ہے۔نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔ حیاء ایمان سے ہے، ہوسکتا ہے اس سے یہی مراد ہو۔مذمت کے خوف سے انسان پر جو تقصیر اور انکسار کی حالت طاری ہوتی ہے اس کو لغت میں حیاء کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں حیاء اس وصف کو کہتے ہیں جو برے کاموں سے اجتناب اور حقدار کے حق میں تقصیر سے احتراز کرنے پر ابھارتا ہے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کو حسن اور کمال سے ادا کرنا حیاء پر موقوف ہے۔"[1]

غلام رسول سعیدی صاحب نے بڑی خوبصورتی سے لفظ حیاء کو حیاۃ سے تعبیر کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ حیاۃ سے زمین کی زندگی یا دنیاوی زندگی وابستہ ہے جبکہ دل کی زندگی حیاء سے متعلق ہے۔اگر انسان حیاء کی پاسداری کرنے والا ہے تو پھر اس کا دل زندہ ہے اور اگر کوئی شخص حیاء کی پاسداری کرنے والا نہیں ہے تو پھر اسکا دل زندہ نہیں ہے کیونکہ دل کی زندگی کا تعلق حیاء سے ہے۔اگر انسان حیاء کے تقاضے اور لوازمات کو پورا کرنے والا ہے تو اس کا دل بھی زندہ ہے اور جب انسان کا دل زندہ ہو تو وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کو اچھی طرح ادا کرتا ہے۔

امام غزالیؒ، احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ:

"قبیح امور کو صریح الفاظ میں ذکر کرنا فحش گوئی ہے۔مثلاً شرمگاہ کا نام لیا جائے۔فحاشی عام طور پر جماع اور اس کے متعلقہ امور ہی سے متعلق ہے۔مفسدہ پرداز اور بدکردار لوگوں نے اس سلسلہ میں صریح اور فحش عبارتیں وضع کررکھی ہیں۔وہ ان عبارتوں کو کسی جھجک اور شرم کے بغیر استعمال کرتے ہیں۔جبکہ نیکوکار اور خوش اطوار لوگ ان عبارتوں کے استعمال سے بچتے ہیں۔بلکہ اس طرح کے امور میں اشاروں اور کنایوں سے بات کرتے ہیں اور صریح الفاظ کے بجائے اشاراتی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔عورتوں کا ذکر بھی صریح نہ ہونا چاہیے بلکہ کنایوں اور اشاروں میں

[1] سعیدیؒ، علامہ غلام رسول، شرح صحیح مسلم (لاہور، فرید بک اسٹال، 2002ء) 6/770

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذکر کرنا چاہیے۔ مثلاً یہ نہ کہے تیری بیوی نے کہا بلکہ یہ کہے کہ گھر میں کیا کہا گیا۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی ہے یا بچے کی ماں نے یہ کہا وغیرہ۔ عورتوں کا صریح ذکر بھی فحش کی طرف لے جاتا ہے۔"[1]

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ وہ امور جو کہ قبیح ہوں انہیں واشگاف الفاظ میں ذکر کرنا بھی فحاشی کے زمرے میں داخل ہیں۔ مثلاً شرمگاہ کا نام لینا، جماع کا ذکر کرنا یا جماع کے الفاظ کو بغیر جھجک کے ذکر کرنا وغیرہ۔ لہذا ایسے امور میں ان الفاظ کو کنایۃ بیان کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے بھی قرآن حکیم میں جماع کے لئے لفظ جماع کے بجائے لمس کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ امام صاحب مزید فرماتے ہیں کہ الفاظ میں فحش عنصر محض جماع کیساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ لوگ جن کی نیت خراب ہوتی ہے تو وہ جماع کے علاوہ دیگر الفاظ میں فحش باتیں کہہ جاتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کا ذکر بھی صراحتًا کے بجائے کنایتًا کرنا چاہیے۔ بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ تیری بیوی نے یہ کہا ہے تو اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے اور یوں کہنا چاہیے کہ آپ کے گھر میں یہ کہا گیا تھا۔ بواسیر اور جزام جیسی بیماریوں کا تذکرہ بھی صراحتًا کے بجائے کنایتًا کرنا چاہیے، جیسے کہ فلاں شخص کو بڑی سخت بیماری ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب ایک آرٹیکل میں فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے معاشرے کا مزاج نہایت تیز رفتاری سے بدل رہا ہے اور مغربی معاشرے کی وہ تمام لعنتیں جنھوں نے مغرب کو اخلاقی تباہی کے آخری سرے پر پہنچادیا ہے، رفتہ رفتہ ہمارے درمیان تباہ کن رفتار سے سرایت کر رہی ہیں، یہاں تک کہ وہ خاندان جو عفت وعصمت، شرافت ومتانت اور شرم وحیاء کے اعتبار سے مثالی سمجھے جاتے تھے اب ان میں بے پردگی، آوارگی، بے حیائی اور جنس پرستی کا عفریت اپنی پوری فتنہ سامانیوں اور تباہ کاریوں کیساتھ گھس آیا ہے۔ اس تشویشناک بے راہ روی کے اسباب اتنے متنوع اور مختلف ہیں کہ محض کوئی ایک اقدام اس کے انسداد کے لئے کافی نہیں ہوگا، جنہیں خاص طور سے مندرجہ ذیل چیزیں فحاشی کے فتنے کو روز بروز ہوا دے رہی ہیں، دن رات حیاء سوز فلمیں دکھا کر شرافت ومتانت کو ذبح کیا جاتا ہے۔"[2]

دین اسلام میں فحاشی کی سخت ممانعت ہے اور دین میں فحاشی کو سخت ناپسند کیا جاتا ہے۔ اسلام حیاء کی تعلیم دیتا ہے، حیاء کو فروغ دیتا ہے اور بے حیائی سے منع کرتا ہے اور اس کی مذمت کرتا ہے۔ بے حیائی سے اجتناب کے کچھ فوائد بھی ہیں جن کا ظہور انسان کی شخصیت اور معاشرے پر ہوتا ہے۔ انسانی شخصیت کی تعمیر میں فحاشی سے اجتناب

[1] غزالی، ابوحامد، احیاء علوم الدین، 3/196

[2] عثمانی، مفتی تقی، فحاشی کی روک تھام، محاسن اسلام (شمارہ 84، ستمبر 2006ء) ص:32

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اس سے انسان کے اندر حیاء کی آبیاری ہوتی ہے۔انسان کا ایمان سلامت رہتا ہے۔انسان کی شخصیت پُر رونق ہو جاتی ہے۔انسان کا وقار بلند ہوتا ہے۔انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور انسان کی شخصیت کی تعمیر اعلیٰ سطح پر ہوتی ہے۔فحاشی سے اجتناب کے سماج پر یہ اثرات ہوتے ہیں کہ معاشرہ بے حیائی سے پاک ہو جاتا ہے۔سماج میں حیاء کی اقدار پروان چڑھتی ہیں۔خواتین کی عزت و آبرو کی حفاظت ہوتی ہے۔خواتین کو امن و سکون حاصل ہوتا ہے۔سماج میں بے حیائی کے خاتمہ سے معاشرے میں حیاء کی اقدار پروان چڑھتی ہے۔معاشرہ حیادار بنتا ہے۔عوام الناس کا ایمان محفوظ ہو جاتا ہے اور سماج میں بے حیائی سے اجتناب کرنے والے لوگوں کو عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ظلم سے اجتناب

کسی شخص پر (ناحق) زیادتی کرنا ظلم کہلاتا ہے۔احادیث قدسیہ میں وارد ظلم سے اجتناب کا سماجی ادب، دراصل درج ذیل قرآن حکیم کی آیات کی تائید و توضیح ہے۔

﴿لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾[1]

(نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے)

﴿لَّا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾[2]

(اللہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کی بری بات ظاہر کرے مگر وہ جس پر ظلم ہوا ہو، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے)

مندرجہ بالا آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام ظلم کی ممانعت کرتا ہے اور اسے سخت ناپسند کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت عدل ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی عادل ہو ہی نہیں ہو سکتا اور عدل کی ضد ظلم ہے۔جو ظالم ہوتا ہے تو وہ عادل نہیں ہو سکتا۔چونکہ اللہ عادل ہے تو وہ عدل کرنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے۔ظالم شخص اللہ سے بھی دور ہوتا ہے، دین سے بھی دور ہوتا ہے اور وہ اللہ کی رحمت سے بھی دور ہوتا ہے۔اس کے برعکس عادل شخص اللہ سے بھی قریب ہوتا ہے، دین سے بھی قریب ہوتا ہے اور رحمتِ الٰہی سے بھی قریب ہوتا ہے۔لہٰذا ہمیں عدل کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔

[1] البقرۃ:279

[2] النساء:148

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۃ النساء، آیت 148 کی تشریح میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتا بجز مظلوم کے۔ جہر بالسوء (چلّا کر بری بات زبان سے کہنا) سے اس جگہ مراد عام ہے۔ چلا کر یا نہ ہو اللہ کو دونوں ناپسند ہیں مگر چلا کر بری بات کہنی زیادہ بری ہے چونکہ واقعہ سے تعلق چلا کر بری بات زبان پر لانے کا تھا اس لئے جہر بالسوء کا لفظ اختیار کیا۔ مظلوم کے لئے جہر بالسوء کی اجازت کا یہ معنی ہے کہ مظلوم ظالم کے ظلم کی فریاد اور اس کے لئے بددعا کر سکتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک بدزبانی کرنے سے مراد ہے گالی دینا اگر کوئی گالی دے (تو ناجائز ہے لیکن) ویسی ہی گالی مظلوم دے سکتا ہے۔ حضرت انس و حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو گالیاں دینے والوں میں سے جو پہل کرے الزام اس پر ہے جب تک کہ مظلوم حد مساوات سے آگے نہ بڑھ جائے۔ بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول مہمان کے حق میں ہوا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی قوم کے پاس جا کر اترے اور وہ میزبانی نہ کریں اور ان کی طرف سے اچھی مہمانی نہ ہو تو مہمان کے لئے شکوہ کرنا اور جیسا اس کے ساتھ سلوک کیا گیا ہے ویسا بیان کرنا جائز ہے۔[1]

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی ایسی بات کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے ماسوائے اسکے کہ وہ مظلوم ہو۔ اگر کسی مظلوم شخص سے کوئی مصیبت و آفت میں چیخ و پکار ہو جائے تو اس سے مؤاخذہ نہیں ہے۔ گویا کہ اس سے معلوم یہ ہوا کہ مظلوم شخص فریاد رسی کے لئے بددعا کر سکتا ہے۔ مظلوم شخص پر جو ظلم یا برائی ہوئی ہے تو وہ اس کا بدلہ لے سکتا ہے۔ امام بغوی اور مجاہدؒ کے نزدیک یہ آیت مہمان کی مہمان نوازی سے متعلق ہے۔ اگر میزبان مہمان کی مہمان نوازی نہ کرے تو پھر وہ اس سے مہمان نوازی کا حق زبردستی وصول کر سکتا ہے۔ مہمان نوازی کے بارے میں دیگر کا قول اسکے برعکس ہے۔

مولانا محمد زکریا اقبال صاحب، تفہیم المسلم شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

" اللہ نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر دیا ہے تو کسی بندہ کی کیا مجال ہے کہ وہ ظلم کو پانے لئے حلال اور جائز جانے اور اللہ کے بندوں پر ظلم کرنے لگے۔ ظلم کیا ہے؟ کسی بھی چیز کو اس کی اصل جگہ اور مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا ظلم ہے۔ ظلم کے لفظی معنی اندھیرے کے ہیں۔ کسی شخص کو اس کا جائز حق نہ دینا اور اسے اسکے حق سے محروم کر دینا ظلم اور زیادتی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جو باتیں سخت ناپسند ہیں ان میں ظلم بھی ہے اور ظلم و ظالم کے متعلق اللہ تعالیٰ

[1] پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری (کراچی، دارالاشاعت، 1999ء) 3/209-208

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے شدید وعیدیں بیان کی ہیں۔ جن میں سے ایک وعید مذکورہ احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ ظلم قیامت کے روز اندھیروں کی صورت میں ہو گا۔"[1]

انسان اللہ پر کوئی چیز حلال یا حرام نہیں کر سکتا اور نہ ہی انسان کسی چیز کو اللہ پر فرض یا واجب قرار دے سکتا ہے۔ البتہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جس چیز کو چاہیں تو خود سے اپنے اوپر حلال، حرام، فرض یا واجب کر سکتے ہیں۔ مولانا زکریا اقبال صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے۔ گویا کہ جب اللہ نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دے دیا ہے تو پھر انسان کی کیا اوقات کہ وہ ظلم کو اپنے لئے حلال سمجھے اور لوگوں پر ظلم کرے۔ کسی بھی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینا ظلم کہلاتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی پر ظلم کر رہا ہوتا ہے تو وہ اس کے حق کو اسی کی جگہ سے ہٹا رہا ہوتا ہے۔

امام غزالیؒ، مکاشفۃ القلوب میں فرماتے ہیں کہ:

"تین امور وہ ہیں کہ جو ان کا حامل ہو گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ حساب کو آسان فرمادے گا یا اس کو اپنی رحمت سے ہی جنت میں داخل فرمائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا حضور وہ کیا ہیں آپ نے فرمایا تجھ کو جو نہ دے تو اس کو دے، تجھ سے جو توڑتا ہے تو اسکے ساتھ جوڑ، تیرے اوپر جو ظلم کرتا ہے تو اس کو معاف کر دے۔ تو جب یہ کام کرے گا تو تجھے جنت میں داخل فرمائیگا۔ دو سندوں کیساتھ مسند احمد میں روایت کیا گیا ہے ان میں سے ایک روایت ثقہ ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ نے کہا کہ میں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ کے دست مبارک کو پکڑ لیا اور عرض کیا کہ حضور مجھے سب سے زیادہ عمدہ اعمال بتا دیجئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اے عقبہ تجھ سے جو توڑے تو اسکے ساتھ جوڑ، جو تجھ کو محروم رکھے تو اس کو دے اور جو تیرے ساتھ ظلم کرے تو اس کو معاف کر دے۔"[2]

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تین کام ایسے ہیں کہ جن کے کرنے پر اللہ تعالیٰ اس کے حامل کا آخرت میں حساب بھی آسان فرمائے گا اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں بھی داخل فرمائیگا۔ وہ تین کام یہ ہیں کہ جو تم سے روکے تم اس کو دو، جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو اور جو تم پر ظلم ڈھاتا ہو تو تم اس کو معاف کر دو۔ جب تم ان کاموں کو بجالاؤ گے تو تمہیں جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔ لہذا یہ معلوم ہوا کہ مظلوم اگر ظلم کے ارتکاب کرنے والے ظالم کو معاف کر دے تو یہ بھی جنت میں لے جانے والے تین کاموں میں سے ایک ہے۔ جو شخص کسی ایسے شخص پر ظلم کرتا ہے جس

---

[1] اقبال، محمد زکریا، تفہیم المسلم (کراچی، دارالاشاعت، بدون سنۃ النشر) 3/838

[2] غزالی، ابو حامد، مکاشفۃ القلوب (لاہور، مکتبہ اسلامیہ، بدون سنۃ النشر) 1/436-434

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا اللہ کے سوا کوئی اور مددگار نہ ہو تو ایسے شخص پر اللہ کا سخت غضب ہوتا ہے۔ ظلم قیامت کے دن ظالم کے لئے شرمندگی کا سبب ہوگا، لہذا ظلم سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

امریکی پولیٹکل فلاسفر: جان راوٗلز، انصاف کی اہمیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"Justice is the first virtue of social institutions, as truth is of systems of thought. A theory however elegant and economical must be rejected or revised if it is untrue; likewise laws and institutions no matter how efficient and well-arranged must be reformed or abolished if they are unjust. Each person possesses an inviolability founded on justice that even the welfare of society as a whole cannot override. For this reason justice denies that the loss of freedom for some is made right by a greater good shared by others." [1]

(انصاف سماجی اداروں کی پہلی خوبی ہے، جیسا کہ نظام کی سچائی بھی فکری شے ہے۔ ایک نظریہ خواہ ہی خوبصورت اور اقتصادی ہو، اگر وہ غلط ہے تو اسے مسترد یا نظر ثانی کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح قوانین اور ادارے چاہے کتنے ہی موثر اور منظم کیوں نہ ہوں اگر وہ غیر منصفانہ ہوں تو ان کی اصلاح یا انہیں ختم کر دینا چاہیے۔ ہر شخص میں انصاف پر مبنی ایک ناقابلِ تسخیریت موجود ہے جسے مجموعی طور پر معاشرے کی فلاح و بہبود بھی زیر نہیں کر سکتی۔ اس وجہ سے انصاف اس بات سے انکار کرتا ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے آزادی کے نقصان کو دوسروں کی طرف سے زیادہ سے زیادہ اچھائی سے درست کیا جاتا ہے)

دین اسلامیں ظلم کی ممانعت ہے اور دین نے ظلم کو سخت ناپسند کیا جاتا ہے۔ اسلام عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے اور عدل و انصاف کو فروغ دیتا ہے اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ ظلم سے اجتناب کے کئی فوائد ہیں جن کا ظہور انسان کی شخصیت اور معاشرے پر ہوتا ہے۔ انسانی شخصیت کی تعمیر میں ظلم سے اجتناب کے یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اس سے انسان کا وقار بلند ہوتا ہے۔ انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی شخصیت کی تعمیر اعلیٰ سطح پر ہوتی ہے۔ انسان ظالم کے بجائے عادل کہلاتا ہے۔ عدل کرنے والے اللہ کو بے حد پسند ہیں۔ سماج سے ظلم کو ختم کرنے سے سماج میں عدل کی فضاء قائم ہوتی ہے۔ عوام الناس کو ان کے حقوق ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ سماج سے جبر و زیادتی ختم ہو جاتی ہے۔ معاشرہ پُرامن اور پُر سکون ہو جاتا ہے۔ سماج میں ظالم کو بری نظر سے دیکھا جاتا ہے اور عادل کو عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

---

[1] John Rawls, A theory of Justice Revised Edition, (England, Cambridge University Press, 1971) P: 3-4

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اخلاق حسنہ

لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آنا اخلاق حسنہ کہلاتا ہے۔دین اسلام میں اخلاق حسنہ کی بڑی اہمیت ہے اور لوگوں سے اخلاق حسنہ سے پیش آنے پر شریعت نے بڑا اجر وثواب بتایا ہے۔اخلاق حسنہ کو اپنانے کا عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بے حد پسند ہے۔احادیث قدسیہ میں وارد،اخلاق حسنہ کا سماجی ادب دراصل درج ذیل قرآن حکیم کی آیات کی تائید وتوضیح ہے((وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ))[1](اور بیشک اے نبی ﷺ، آپ بہت بڑے عمدہ اخلاق پر ہیں)

سورۃ القلم، آیت 4 کی تشریح میں علامہ عبدالکریم اثری صاحب، تفسیر عروۃ الوثقیٰ میں فرماتے ہیں کہ:

"اسلام کے ذریعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق محمودہ کے چار سرچشمے ہیں:صبر،عفت،شجاعت اور عدل۔صبر کے نتائج میں اس نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ برداشت مصائب، غصہ پی جانا، عدم ایذا دہی، بردباری، خاکساری، گھبراہٹ کا نہ ہونا اور کسی پر خواہ مخواہ حملہ نہ کرنا۔صبر کا ذکر قرآن کریم میں تقریباً ستر بار آیا ہے۔قرآن کریم میں جہاں جہاں اس کا بیان آیا ہے اگر اس کو جمع کریں تو اس کو تقریباً چھ اصناف پر بیان کیا گیا ہے۔امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ نصف ایمان کا نام صبر ہے اور نصف کا نام شکر۔عفت کے نتائج یہ ہیں، رذائل و قبائح سے اجتناب، قولاً و فعلاً پاکیزگی، عفت سے حیا پیدا ہوتی ہے اور حیاء کا اثر ہر ایک خلق نیک پر ہے۔"[2]

عبدالکریم اثری صاحب نے اخلاق حسنہ کے لئے اخلاق محمودہ کے الفاظ بیان کئے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ اخلاق حسنہ چار عناصر سے برآمد ہوتا ہے اور وہ چار عناصر یہ ہیں۔پہلا عنصر صبر ہے۔صبر سے ہمیں برداشت کرنے، غصّہ کو پی جانے، بردباری، خاکساری اور ظالم سے انتقام نہ لینے کی تعلیم ملتی ہے۔ایمان کا نصف اوّل صبر اور نصف ثانی شکر ہے۔دوسرا عنصر عفت ہے۔عفت انسان کو قبیح اعمال جیسے بے حیائی، فحاشی، عریانی اور بدکاری سے بچاتی ہے۔ تیسرا عنصر شجاعت ہے۔شجاعت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان مقابلہ میں دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ شجاعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان ظالم کے خلاف کھڑا ہو اور ظلم کا قلع قمع کرنے کے لئے مقابلہ کرے۔چوتھا عنصر عدل ہے۔عدل کے ذریعہ سے انسان افراط و تفریط سے بچ جاتا ہے اور معتدل راستہ اختیار کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں ایک اعرابی کا نبی اکرم ﷺ کی چادر مبارک کو زور سے کھینچنے والے واقعہ میں آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کی بہت اچھی مثال ہے:

---

[1] القلم:4

[2] اثری، علامہ عبدالکریم، تفسیر عروۃ الوثقیٰ (لاہور، دارالسلام، بدون سنۃ النشر) 9/363-362

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الحَاشِيَةِ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَذَبَهُ جَذْبَةً شَدِيدَةً، حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عَاتِقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَثَّرَتْ بِهِ حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهِ، ثُمَّ قَالَ: مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِي عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ))[1]

(حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جارہا تھا جبکہ آپ ﷺ نے نجران کی تیار کردہ چوڑے حاشیے والی چادر پہن رکھی تھی۔ اتنے میں ایک اعرابی نے آپ کو گھیر لیا اور زور سے چادر کو جھٹکا دیا۔ میں نے نبی کریم ﷺ کے شانے کو دیکھا جس پر چادر کو زور سے کھینچنے کی بنا پر نشان پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہنس پڑے، پھر آپ نے اسے کچھ دینے کا حکم دیا)

سیرۃ النبی ﷺ کے مندرجہ بالا واقعہ سے اخلاق حسنہ کی اہمیت بہت ہی اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ جب ایک اعرابی نے راستہ میں نبی اکرم ﷺ کو گھیر لیا اور اس نے اپنی چادر کے ذریعہ سے زور سے نبی اکرم ﷺ کو جھٹکا دیا تو آپ ﷺ کے شانہ مبارک پر چادر کے زور سے نشان پڑے ہوئے تھے۔ پھر اعرابی نے یہ اذیت دینے کے بعد نبی اکرم ﷺ سے مال لینے کا مطالبہ کیا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے بالکل بھی لعن طعن نہیں کیا کہ پہلے تم ادب سیکھو۔ تم نے میرے ساتھ بے ادبی کیوں کی۔ تم نے مجھے اذیت سے کیوں دوچار کیا۔ تم نے رعب قائم کرنے کی کوشش کیوں کی۔ نبی اکرم ﷺ نے اُسے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔ یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا مظہر تھا۔ نبی ﷺ نے اپنے اخلاق کیوجہ سے اسے بغیر کچھ کہے مال عطا فرمادیا۔

مولانا کمال الدین المسترشد، تشریحاتِ ترمذی میں مذکورہ حدیث کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

"اس حدیث میں اخلاق حسنہ کے بجائے عسل یعنی شہد کا ذکر ہے یعنی ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی اور دل ایلوا سے زیادہ کڑوے ہونگے چونکہ ایلوا شہد کو فاسد کرتا ہے اسلئے ان لوگوں کی یہ شیریں زبانی ان کے کڑوے دلوں کے سامنے کسی طرح مفید ثابت نہیں ہونگی۔"[2]

حدیث مذکورہ میں ایسے لوگوں کا ذکر آیا ہے کہ انکی زبانیں یعنی اخلاق تو بہت اچھے ہونگے۔ انکے اخلاق کا معیار اتنا اعلیٰ ہوگا کہ انکے اخلاق شہد کیطرح میٹھے اور شیریں ہونگے۔ وہ لوگوں سے بہت ہی اچھے اخلاق سے گفتگو

---

[1] بخاری، محمد بن إسماعیل، بَابُ مَاكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْطِي المُؤَلَّفَةَ قُلُوبُهُمْ وَغَيْرَهُمْ مِنَ الخُمُسِ وَنَحْوِهِ، ح:3149

[2] المسترشد، کمال الدین، تشریحاتِ ترمذی (کراچی، قدیمی کتب خانہ، بدون سنۃ النشر) 7/200

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہونگے۔ان کا انداز گفتگو بہت ہی متاثر کن ہو گا ۔وہ بہت دلنشین اور میٹھی میٹھی گفتگو کرنے والے ہونگے۔ اصولاً تو جس شخص کی زبان اچھی ہو تو اس کا دل بھی اچھا ہونا چاہیے لیکن حدیث میں مذکورہ لوگ وہ ہیں جن کی زبانیں تو شہد کی طرح میٹھی ہونگی لیکن ان کے دل میٹھے ہونے کے بجائے ایلوے کی طرح کڑوے ہونگے۔ ایلوا کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ شہد کے ذائقہ کو بالکل خراب اور بدمزا کر دیتا ہے۔لہٰذا ان لوگوں کا شیریں اخلاق ان کے کڑوے دلوں کی خرابی کو درست نہیں کر پائے گا۔

امام غزالیؒ،احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ:

"لوگوں نے خوش خلقی کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس کی حقیقت پر کسی نے روشنی نہیں ڈالی ہے۔ جن لوگوں نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا، انہوں نے خوش خلقی کے نتائج و ثمرات پر بحث کی اور وہ بحث بھی مکمل نہیں کی بلکہ جس کے ذہن میں جو ثمرہ آیا اس نے وہی لکھ دیا۔خوش خلقی کی حقیقت و ماہیت اور اس کے مکمل ثمرات و نتائج کا موضوع ہنوز تشنۂ کلام ہے۔اس سلسلہ میں ہم بزرگوں کے کچھ اقوال و ارشادات نقل کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ خندہ رو رہے، مال خرچ کرے اور لوگوں کی اذیّت برداشت کرے۔"[1]

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن خوش خلقی کی حقیقت و ماہیت اور ثمرات و نتائج پر بحث نامکمل ہے۔ حسن بصریؒ نے خوش خلقی کو خندہ پیشانی کے علاوہ انفاقِ مال اور صبر سے بھی جوڑا ہے۔ گویا کہ حسن بصریؒ کے نزدیک حسن اخلاق صرف اچھے انداز میں گفتگو کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق غرباء اور مساکین کی مالی امداد کرنے اور مصائب پر صبر کرنے کیساتھ بھی ہے۔لہٰذا حسن اخلاق صرف حسن گوئی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو زندگی کے ہر معاملہ کو خوش اسلوبی کیساتھ سرانجام دینے کا نام ہے۔اس طرح انسان کو ظاہری حسن کیساتھ ساتھ باطنی حسن بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

کالم نگار راحیل گوہر صاحب اپنے آرٹیکل میں فرماتے ہیں کہ

"اسلام کا فلسفہ اخلاق انسان کو سعادت اور رفعت فکر کی اس منزل پر پہنچا دیتا ہے جس سے معاشرہ امن و سلامتی اور سکون و عافیت کا گہوارہ بن جاتا ہے اسلام کے پورے اخلاقی نظام کی بنیاد ایمان ہے۔ایمان اپنی صحیح کیفیت کیساتھ دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو تو انسان کے مزاج میں اعلیٰ اخلاق کی وہ مضبوط عمارت کھڑی ہو جاتی ہے جسے زمانہ کے

[1] غزالی، ابو حامد، احیاء علوم الدین، 3/ 94-93

www.KitaboSunnat.com

حوادث جنبش نہیں دے سکتے اور اس ایمان کے قد آور شجر طیبہ سے جو برگ وبار پھوٹتے ہیں ان میں اسلام، تقوٰی اور انسان کے عمل کی اعلٰی ترین صفت احسان نمایاں ہوتی ہے۔نیک صالح اور سعید انسان وہ ہے جس کا کردار انسانیت کے معیار پر پورا اترتا ہو۔سیاست کے میدان میں بھی حسن اخلاق کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔" [1]

دین اسلام مسلم معاشرہ کو سلامتی وسکون عطا کر کے اسے امن کا گہوارہ بنا دیتا ہے اور یہ سب کچھ اسلام کے فلسفہ اخلاق کے طفیل ہے۔یہ دراصل اسلام کا فلسفہ اخلاق ہی ہے جو انسان کو وہ فکری بلندی عطا کرتا ہے جس سے معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں اور ایمان کا اخلاق کیساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔انسان کا ایمان جتنا زیادہ دل میں گہرا اور پختہ ہو گا تو اتنا ہی اس کے مزاج میں اخلاق پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ایمان کے رسوخ کیوجہ سے اخلاق کی پختگی اس قدر ہو گی کہ حوادثِ زمانہ اسے جنبش نہیں دے سکیں گے۔کسی شخص کے نیک وسعید ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ انسانیت کے معیار پر بھی پورا اترتا ہو۔حسن اخلاق کا اظہار صرف مسجد اور دفتر میں نہیں ہوتا بلکہ گھر، بازار اور میدانِ سیاست میں بھی اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا مودودی صاحب، اخلاق کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"Moral sense is inborn in man and through the ages it has served as the common man's standard of moral behavior, approving certain qualities and disapproving others. While this instinctive faculty may vary from person to person, human conscience has glven a more or less uniform verdict in favour of certain moral qualities as being good and declared certain others as bad. On the side of moral virtues, justice, cotuage, bravery and truthfulness have always elicited praise and history does not record any period worth the name in which falsehood, injustice, dishonesty, and breach of tmst may have been upheld."[2]

(اخلاقی احساس انسان میں پیدائشی ہوتا ہے اور زمانہ کے گزرنے کیساتھ اس نے عام آدمی کے اخلاقی رویے کے معیار کے طور پر کام کیا ہے۔بعض خصوصیات کو منظور کرنا اور دوسروں کو ناپسند کرنا، اگرچہ یہ فطری فیکلٹی ہر شخص میں مختلف ہو سکتی ہے، لیکن انسانی ضمیر نے کچھ اخلاقی خوبیوں کے حق میں کم وبیش یکساں فیصلہ دیا ہے کہ وہ اچھے ہیں اور کچھ دوسروں کو برا قرار دیتے ہیں۔اخلاقی خوبیوں کے حوالے سے عدل وانصاف، شجاعت، شجاعت اور سچائی کی ہمیشہ

[1] گوہر، راحیل، اسلام کا فلسفہ اخلاق، ندائے خلافت، (شمارہ 26، جولائی 2022ء) ص:15

[2] Mawdudi, Abul A'ala, Islamic way of life (Saudia Arabia, King Shah Fahd publication, 1996), P: 30-31

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعریف کی جاتی رہی ہے اور تاریخ میں ایسا کوئی دور نہیں ملتا جس میں جھوٹ، ناانصافی، بے ایمانی اور خلاف ورزی کو سر بلند کیا گیا ہو)۔

گویا کہ اخلاق حسنہ کے انسانی شخصیت اور سماج پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انسانی شخصیت اخلاق حسنہ کے یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اخلاق حسنہ سے آراستہ شخص کا وقار بلند ہو جاتا ہے۔ وہ باعزت سمجھا جاتا ہے۔ اس کی زندگی اوصاف حمیدہ سے مزین ہو جاتی ہے اور اس کی شخصیت میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔ سماج میں ایسے شخص کو عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ سماج میں بااخلاق شخص سے لوگ محبت کرتے ہیں۔ معاشرے میں لوگ اس سے دوستی کرنا پسند کرتے ہیں اور اس سے میل جول اور ملاقات کی خواہش رکھتے ہیں۔

اخلاقِ حسنہ کے ضمن میں جہاں ہم لوگوں کو برا بھلا کہنے سے اجتناب کرتے ہیں تو اسی طرح ہمیں زمانہ کو بھی برا بھلا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ یہ بااخلاق لوگوں کو زیب نہیں دیتا اور احادیث میں بھی زمانہ کو برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہیں، اسلئے زمانہ کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ اخلاقیات کا تعلق صرف مہذب انداز میں گفتگو کرنے سے نہیں ہے بلکہ اخلاقیات تو دین اسلام کا ایک بڑا شعبہ ہے جس میں بہت سی باتیں شامل ہیں۔ اخلاقیات میں یہ بھی شامل ہے کہ ایک مسلمان کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کرے اِلّا یہ کہ بہت ہی پریشانی کی صورت ہو، کیونکہ دست سوال دراز کرنا اخلاقاً بہتر عمل نہیں ہے۔ اس سے انسان کی عزت نفس بھی مجروح ہوتی ہے اور انسان کے وقار میں کمی بھی واقع ہوتی ہے۔ اخلاقیات کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اگر ہمارے دوست ، احباب، پڑوس اور جاننے والوں میں کوئی بیمار ہو جائے تو ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی عیادت بھی کرے۔ بیمار کی عیادت کرنا، حقوقِ مسلمان کی رو سے ضروری بھی ہے اور اخلاقاً بھی ضروری ہے۔

تکبر سے اجتناب

اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا تکبر کہلاتا ہے، بالفاظ دیگر غرور کرنا تکبر کہلاتا ہے۔ دین اسلام میں تکبر کی شدید مذمت بیان ہوئی ہے۔ شریعت اسلامیہ میں تکبر کو شدید ناپسند کیا جاتا ہے۔ احادیث قدسیہ میں وارد تکبر سے اجتناب کا سماجی ادب، دراصل درج ذیل قرآن حکیم کی آیات کی تائید و توضیح ہے۔

﴿فَمَا یَکُوْنُ لَکَ اَنْ تَتَکَبَّرَ فِیْهَا ﴾[1]

---

[1] اعراف:13

www.KitaboSunnat.com

(پس تمہارے یہ لائق نہیں کہ یہاں تکبر کرو)

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ﴾[1]

(پھر میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں)

﴿فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ﴾[2]

(سو دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو، پس متکبرین کا کیا ہی برا ٹھکانہ ہے)

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾[3]

(اور لوگوں سے اپنا رخ نہ پھیر اور زمین پر اترا کر نہ چل، بے شک اللہ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا)

﴿اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ﴾[4]

(کیا دوزخ میں تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے)

مندرجہ بالا آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم تکبر کی حقیقت، قباحت اور انجام بھی بیان ہوا ہے۔ تکبر اعمال شنیعہ میں سے ہے اور یہ ایک قبیح عمل ہے۔ تکبر نہ صرف انسان کے لئے ممنوع ہے بلکہ تکبر انسان کو زیب بھی نہیں دیتا۔ قرآن کی رو سے متکبرین کو آیات الٰہی سے نصیحت بھی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ لوگوں سے اپنے رخ کو پھیر لینا، زمین پر اترا کر چلنا بھی تکبر کے زمرے میں آتا ہے۔ مزید یہ کہ جن لوگوں کی زندگی تکبر میں گزری ہو اور وہ بغیر توبہ کے دنیا سے چلے گئے تو پھر قرآن کی رو سے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

سورۃ اعراف، آیت 13 کی تشریح میں مولانا غلام رسول سعیدی صاحب، تفسیر تبیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ:

"تواضع کرنے والے کیلئے سربلندی اور تکبر کرنے والے کے لیے ذلت اور پستی ہے۔ اس آیت میں مذکور ہے کہ ابلیس نے تکبر کیا اور اپنے آپ کو حضرت آدم سے بڑا اور اچھا سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت سے نکال دیا اور فرمایا تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے اور اس کے بعد کی آیت میں مذکور ہے کہ حضرت آدم نے (باوجود بھولے سے شجر

[1] اعراف:146

[2] النحل:29

[3] لقمان:18

[4] الزمر:60

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ممنوع سے کھانے کے فعل پر) توبہ اور استغفار سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر تاج کرامت رکھا اور زمین کی خلافت انہیں سونپ دی اور ان کو اپنا نائب بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کرے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرے اور بڑا بنے تو اللہ تعالیٰ اس کو رسوا اور ذلیل کرتا ہے "[1]

گویا کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے تکبر اختیار کرتا ہے تو اسے اللہ رب العزت کیطرف سے سربلندی نصیب ہوتی ہے اور جو شخص تکبر اختیار کرتا ہے تو اسے ذلت اور پستی ملتی ہے۔ تکبر، کبر سے بنا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے تو وہ دراصل اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے حالانکہ وہ حقیقتاً بڑا ہوتا نہیں ہے۔ ابلیس نے بھی اپنے آپ کو حضرت آدمؑ سے بڑا ثابت کرنے کی ناحق اور مذموم کوشش کی ،بالاخر ابلیس کو ذلت کیساتھ جنت سے نکالا گیا۔ حضرت آدمؑ نے عاجزی اور توبہ و استغفار سے کام لیا تو انہیں زمین کی خلافت مل گئی اور وہ اللہ کے نائب بن گئے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تکبر کرنے والا کا انجام رسوائی ہے اور عاجزی ختیار کرنے والا سربلند ہوتا ہے۔

محمد لیاقت علی رضوی صاحب، شرح ابوداؤد میں اس حدیث کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:
"اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ: میری چادر اور میرا تہبند بطور مثال بیان کئے ہیں اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ دونوں صفتیں یعنی کبریائی اور عظمت صرف میری ذات سے تعلق رکھتی ہیں جن میں کوئی بھی میرا ساجھی شریک نہیں ہو سکتا جیسے کسی کے لباس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا چنانچہ حق تعالیٰ کی کچھ صفات تو ایسی ہیں کہ جن میں کچھ حصہ بندوں کو بھی دیا گیا ہے جو صرف حق تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہیں اور جن کیساتھ کوئی بندہ اپنے آپ کو بطریق مجاز بھی موصوف نہیں کر سکتا۔ اسی حقیقت کو مثال کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ جس طرح کوئی شخص ان کپڑوں کو نہیں پہن سکتا جو کسی دوسرے شخص کے جسم پر ہوں اسی طرح کبریائی اور حقیقی عظمت بڑائی کا بھی کوئی بندہ دعوی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ دونوں صفتیں صرف میری ذات (اللہ) کے لئے موزوں اور مخصوص ہیں "[2]

مذکورہ حدیث میں چادر اور تہبند کے الفاظ بطور صفت استعمال ہوئے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی سے متعلق ہیں۔ جو کبریائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے تو وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتی ۔ جب یہ دونوں صفات کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتی تو پھر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی بھی اللہ کا شریک اور ساجھی نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ایک لباس میں صرف ایک ہی بندہٍ آسکتا ہے اور دو بندے ایک لباس میں سریک نہیں ہوسکتے اسی

[1] سعیدی، مولانا غلام رسول، تبیان القرآن (لاہور، رومی پبلیکیشنز، 2005ء) 4/75

[2] رضوی، لیاقت علی، شرح ابوداؤد (لاہور، شبیر برادرز، 2016ء) 7/483

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح اللہ کی ان مذکورہ صفات میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا۔ گویا کہ یہ دونوں صفات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیب دیتی ہیں۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ:

"کبر کی دو قسمیں ہیں: ظاہری کبر اور باطنی کبر۔ کبر باطن، نفس کی عادت کا نام ہے اور کبر ظاہر سے مراد وہ اعمال ہیں جو اعضاء سے صادر ہوتے ہیں۔ حقیقت میں باطنی عادت ہی کبر ہے۔ اعمال ظاہری تو اس عادت کا ثمرہ ہیں۔ عادت ان اعمال کی موجب ہوتی ہے چنانچہ جب اعمال ظاہر ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ تکبر ہو گیا اور جب اعمال ظاہر نہیں ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس کے دل میں کبر ہے۔ درحقیقت کبر نفس کی ایک عادت ہے اور وہ یہ ہے کہ نفس اپنے آپ کو دوسرے پر فائق اور برتر سمجھے اور اس میں لذت پائے۔ عجب میں معجب کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اگر انسان کو تنہا پیدا کیا جاتا تب بھی اس کے معجب ہونے کا امکان تھا۔ متکبر ہونے کا امکان نہیں تھا۔ اسلئے کہ متکبر کے لئے غیر کی ضرورت ہے، جس پر وہ صفاتِ کمال میں اپنے آپ کو فائقِ تصور کرے۔ تکبر میں انسان اپنے نفس کو بڑا سمجھتا ہے اور ساتھ ہی دوسرے کو بھی بڑا یا برابر سمجھتا ہے لیکن اس پر تکبر نہیں کرتا۔"[1]

امام غزالیؒ نے کبر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس موضوع کو بہت ہی اچھے اور سہل انداز میں واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کبر کی دو اقسام ہیں ایک کبر باطن اور دوسری کبر ظاہر۔ امام غزالیؒ کے نزدیک نفس کی عادات سے متعلق اعمال کا تعلق کبر باطن سے ہے اور انسان کے اعضاء سے صادر ہونے والے اعمال کا تعلق کبر ظاہر سے ہے۔ اصل کبر تو ہے باطنی عادت و افعال اور ظاہری اعمال تو دراصل اس عادت کا حاصل ہیں۔ جب انسان اپنے آپ کو دوسرے سے فائق و برتر سمجھتا ہے تو پھر انسان تکبر کا مرتکب ہوتا ہے۔ کبر ہی کے ذریعہ سے انسان ایمانی اخلاق اور تواضع سے محروم ہو جاتا ہے۔ کبر کی وجہ سے دیگر اخلاق رذیلہ جیسے کینہ، تذلیل، تحقیر، غیبت اور عیب جوئی کو ترک کرنا انسان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔

شیخ صالح عثیمین صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"A belief in one's own greatness above the people, and possession of virtue over them is called arrogance, while looking at one's actions and becoming amazed by them; regarding them as great and lofty is called Self-conceit. So self-conceit describes one's actions while arrogance describes one's soul. Both traits are dispraised. Arrogance is of two types: Arrogance toward the truth and arrogance toward people. The Prophet

[1] غزالی، ابو حامد، احیاء علوم الدین، 3/523-522

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(sallallahu ‘alayhi wa sallam) clarified both in his statement, “Arrogance is to reject the truth and to belittle the people."[1]

(لوگوں کے اوپر اپنی عظمت کا یقین، اور ان پر فضیلت کا قبضہ، تکبر کہلاتا ہے، جب کہ کسی کے اعمال کو دیکھ کر حیران ہو جانا؛ ان کو بڑا اور اعلیٰ سمجھنا خود غرور کہلاتا ہے۔ پس خود پسندی کسی کے اعمال کو بیان کرتی ہے جبکہ تکبر کسی کی روح کو بیان کرتا ہے۔ دونوں خصلتوں کی توہین کی گئی ہے۔ تکبر دو طرح کا ہوتا ہے: حق کی طرف تکبر اور لوگوں کی طرف تکبر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیان میں دونوں کو واضح کیا ہے کہ "تکبر حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو نیچا دکھانا ہے۔ اس بیان کے پیچھے معنی، "حق کو رد کرنا" اسے ترک کرنا، اس سے نفرت کرنا، اور اس کا انکار کرنا ہے۔ اور لوگوں کو حقیر سمجھنا)

گویا کہ دین اسلامیں تکبر کی ممانعت ہے اور دین میں تکبر کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ اسلام عاجزی کی تعلیم دیتا ہے، انکساری کو فروغ دیتا ہے اور تکبر سے منع کرتا ہے اور اس کی مذمت کرتا ہے۔ تکبر سے اجتناب کے کچھ فوائد بھی ہیں جن کا ظہور انسان کی شخصیت اور معاشرے پر ہوتا ہے۔ انسانی شخصیت کی تعمیر میں تکبر سے اجتناب کے یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اس سے انسان کے اندر عاجزی کی آبیاری ہوتی ہے۔ انسان کا دخولِ جھنم کے خطرات سے سلامت رہتا ہے۔ انسان کی شخصیت پُر رونق ہو جاتی ہے۔ انسان کا وقار بلند ہوتا ہے۔ انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور انسان کی شخصیت کی تعمیر اعلیٰ سطح پر ہوتی ہے۔ تکبر سے اجتناب کے سماج پر یہ اثرات ہوتے ہیں کہ معاشرہ غرور سے پاک ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں تکبر سے اجتناب کی دعا بھی سکھلائی ہے۔ جو یہ ہے: ((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ شُکُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ صُبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا))[2] (اے اللہ، آپ مجھے شکر گزار اور صبر کرنے والا بنا دیجئے اور آپ مجھے میری اپنی نظر میں چھوٹا اور لوگوں کی نظر میں بڑا کر دیجئے)

لہذا تکبر سے اجتناب کے نتیجہ میں سماج میں عاجزی کی اقدار پروان چڑھتی ہیں۔ غرباء اور کمزوروں کی عزت محفوظ رہتی ہے۔ کمزوروں اور غرباء کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ سماج میں تکبر کے خاتمہ سے انکساری کی اقدار پروان چڑھتی ہے۔ معاشرہ عاجز بن جاتا ہے۔ عوام الناس کی عزت محفوظ ہو جاتی ہے اور سماج میں تکبر سے اجتناب کرنے والے کو عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

---

[1] Saleh Al-Uthaymeen, The chapter on the prohibition of arrogance & Self-conceit, Translated by: Abdul Azeem (USA, Maktabatulirshad Publications, 2014) P: 14-15

[2] البزار، أبو بكر أحمد، باب مسند بريدة بن الحصيب رضي الله عنه، ح:4439

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تجزیہ و تلخیص

احادیث قدسیہ میں ایفائے عہد، صبر، باہمی دشمنی سے اجتناب، فحش باتوں سے اجتناب، ظلم سے اجتناب، اخلاق حسنہ، تکبر سے اجتناب اور حسن ظن کی تلقین کا بیان ہے۔مذکورہ باب میں سماجی آداب کا توضیحی مطالعہ کیا گیا ہے۔معاشرہ کو بہتر بنانے کے لئے سماجی آداب کا توضیحی مطالعہ اور ان آداب کا اطلاق کرنے کی ضرورت ہے۔سماجی آداب کا بالفعل اطلاق کر کے ہی معاشرے کو ان آداب سے مزین کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ فصل میں پہلا سماجی ادب ایفائے عہد ہے اسلام میں وعدے کی اتنی اہمیت ہے کہ وعدے کو ہی دین کو قرار دیا گیا ہے۔ایفائے عہد کے ثمرات کا اثر انسانی شخصیت کی تعمیر میں بھی ہوتا ہے اور سماج پر بھی ہوتا ہے۔انسانی شخصیت کی تعمیر پر ایفائے عہد کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایفائے عہد سے انسان کا وقار بلند ہوتا ہے۔وعدہ پورا کرنے والا شخص قول و قرار کا پابند سمجھا جاتا ہے۔

انسانی شخصیت کی تعمیر پر صبر کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔صبر کرنے والا شخص مصائب کے آنے پر نوحہ نہیں کرتا، واویلا نہیں مچاتا بلکہ وہ صبر جمیل کے ساتھ مصائب سے گزر جاتا ہے۔صابر شخص باوقار، سمجھ دار اور باحوصلہ تصور کیا جاتا ہے۔سماج میں صبر کرنے والے شخص کو عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور صابر کے صبر کرنے کیوجہ سے سماج میں دیگر لوگوں کو بھی صبر کرنے میں سہولت اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

ولی اللہ کا دوست ہوتا ہے اور وہ اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ولی سے دشمنی ایک خطرناک عمل ہے کیونکہ حدیث قدسی میں ولی سے دشمنی اختیار کرنے پر اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔اسی طرح عام مسلمانوں سے بھی ہمیں دشمنی عداوت اور بغض نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اسلئے ہمیں بقیہ مخلوق سے بھی عداوت کے بجائے الفت و محبت قائم رکھنی چاہیے۔

دین اسلام میں حسن ظن کی بہت اہمیت ہے۔اسلام نے حسن ظن کی تلقین کی ہے اور سوئے ظن سے منع فرمایا ہے۔حسن ظن سے مراد اچھا گمان کرنا ہے اور سوئے ظن سے مراد برا گمان کرنا ہے۔حسن ظن کی ضد سوئے ظن ہے۔حسن ظن سے اہل ایمان کے دلوں میں محبت برقرار رہتی ہے اور سوئے ظن سے اہل ایمان کے دلوں میں نفرت و کدورت پیدا ہوتی ہے۔

دین اسلام میں فحاشی کی سخت ممانعت ہے اور دین میں فحاشی کو سخت ناپسند کیا جاتا ہے۔اسلام حیاء کی تعلیم دیتا ہے، حیاء کو فروغ دیتا ہے اور بے حیائی سے منع کرتا ہے اور اس کی مذمت کرتا ہے۔بے حیائی سے اجتناب کے کچھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوائد بھی ہیں جن کا ظہور انسان کی شخصیت اور معاشرے پر ہوتا ہے۔انسانی شخصیت کی تعمیر میں فحاشی سے اجتناب کے یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اس سے انسان کے اندر حیاء کی آبیاری ہوتی ہے۔

دین اسلامیں ظلم کی ممانعت ہے۔اسلام عدل وانصاف کی تعلیم دیتاہے۔ظلم سے اجتناب کے کئی فوائد ہیں جن کا ظہور انسان کی شخصیت اور معاشرے پر ہوتا ہے۔انسانی شخصیت کی تعمیر میں ظلم سے اجتناب کے یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ انسان کی شخصیت کی تعمیر اعلٰی سطح پر ہوتی ہے۔انسان ظالم کے بجائے عادل کہلاتا ہے۔عدل کرنے والے اللہ کو بے حد پسند ہیں۔سماج سے ظلم کو ختم کرنے سے سماج میں عدل کی فضاء قائم ہوتی ہے۔

اخلاق حسنہ کے انسانی شخصیت اور سماج پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اخلاق حسنہ سے آراستہ شخص کا وقار بلند ہو جاتاہے۔وہ باعزت سمجھا جاتا ہے۔اس کی زندگی اوصاف حمیدہ سے مزین ہو جاتی ہے اور اس کی شخصیت میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔سماج میں ایسے شخص کو عزت اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

تکبر سے اجتناب کے نتیجہ میں سماج میں عاجزی کی اقدار پروان چڑھتی ہیں۔غرباء اور کمزوروں کی عزت محفوظ رہتی ہے۔کمزوروں اور غرباء کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔سماج میں تکبر کے خاتمہ سے انکساری کی اقدار پروان چڑھتی ہے۔عوام الناس کی عزت محفوظ ہو جاتی ہے اور سماج میں تکبر سے اجتناب کرنے والے کو عزت اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب سوم

سماجی آداب سے متعلق احادیث قدسیہ کی عصری معنویت

فصل اول: عصری معاشرت میں سماجی آداب کی حیثیت

فصل دوم: احادیث قدسیہ میں مذکور سماجی آداب کی عصری معنویت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل اول:

عصری معاشرت میں سماجی آداب کی حیثیت

انسانی معاشرہ کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی سماجی آداب کی اہمیت بھی وجود میں آئی ہے۔ ہر دور میں سماج کو بہتر بنانے کے حوالے سے مصلحین نے سماجی آداب پر زور دیا ہے۔ دنیا میں پائے جانے والے اکثر مذاہب میں اخلاقیات اور سماجی آداب پر زور دیا جاتا ہے۔ دین اسلام نے بطور خاص سماجی آداب پر زور دیا ہے کیونکہ دین اسلام کے خواص میں سے ایک بڑا خاصہ آداب ہے۔ جو قومیں اخلاق و آداب میں بلندی پر فائز ہوتی ہے تو عام طور پر وہی قومیں دیگر دنیاوی شعبوں میں بھی اعلٰی مقام پر ہوتی ہے۔ اخلاق و آداب میں بہتری نہ صرف انفرادی شخصیت کو ابھارتی ہے بلکہ اس سے مسلم معاشرے کی سماجی اقدار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ جس معاشرے میں لوگوں کے اخلاق جتنے بلند ہونگے وہ معاشرہ اخلاقی لحاظ سے بھی اتنا ہی بلند ہوگا۔ جس معاشرے میں لوگوں کے اخلاق جتنے پست ہونگے وہ معاشرہ اخلاقی لحاظ سے بھی اتنا ہی پست ہوگا۔

آج ہمارے معاشرے میں دن بدن اخلاقی لحاظ سے کمی واقع ہورہی ہے۔ اچھے اور معیاری کا فقدان ہورہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام الناس، طلباء اور بچوں میں اخلاق پر خصوصی توجہ دی جائے۔ ان سب کو تلقین کی جائے کہ وہ کسی قیمت پر بھی غیر معیاری اخلاق کو نہ اپنائیں اور دن بدن اپنے اخلاق میں بہتری کی کوشش کریں۔ کوئی دوسرا خواہ ان سے کتنی ہی بداخلاقی اور بدتمیزی سے پیش آئے یہ اس سے اچھے اخلاق کیساتھ عفو درگزر کا معاملہ کریں۔

معاشرہ کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ معاشرہ میں سماجی آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ عوام الناس میں سماجی آداب کی اہمیت اور اسکا شعور بیدار کیا جائے۔ سماجی آداب کی ترویج کے ذریعہ سے سماجی اقدار کو بہتر بنایا جائے۔ وہ عناصر جو سماجی آداب کے خلاف ہوں ان کا سدّباب کیا جائے اور سماجی آداب کو پروان چڑھانے والے عناصر کو فروغ دیا جائے۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں سماجی آداب پر تقاریر، مضمون نویسی، مقالہ جات کے اہتمام کی ضرورت ہے اور مزید یہ کہ مذکورہ اداروں میں سماجی آداب کے حوالے سے عملی اقدامات کی بھی ضرورت ہے کیونکہ اقوال و ارشادات تو اس موضوع پر بہت موجود ہیں۔ فی الوقت ضرورت اس امر کی ہے کہ اس معاملہ میں عملی اقدامات کئے جائیں تاکہ معاشرہ بالفعل احادیث قدسیہ و نبویہ میں بیان کردہ ارشادات کا عملی نمونہ نظر آئے اور عوام الناس سماجی آداب کی برکات سے بھرپور طور پر مستفید ہوسکیں، اُمت مسلمہ میں محبت واخوت کی فضا پروان چڑھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایفائے عہد

ایفائے عہد کے معنی وعدہ پورا کرنے کے ہیں۔دین اسلام میں ایفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔قرآن حکیم کی کثیر آیات میں وعدہ پورا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی ایفائے عہد کی تلقین وارد ہوئی ہے۔وعدہ پورا کرنا دینداری کی علامت ہے۔وعدہ پورا کرنے والا بااخلاق تصور کیا جاتا ہے۔وعدہ پورا کرنے والے کو معاشرے میں اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔وعدہ پورا کرنا مؤمنین کا وصف ہے۔وعدوں کی تین اقسام ہیں۔پہلی قسم میں وہ وعدے آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کئے جاتے ہیں۔دوسری قسم میں وہ وعدے آتے ہیں جو لوگوں سے کئے جاتے ہیں۔تیسری قسم میں وہ وعدے آتے ہیں جو اپنے آپ سے کرتا ہے۔غرضیکہ ہر قسم کے وعدہ کو پورا کرنا ضروری ہے اور قیامت کے دن وعدوں کی بازپرس ہوگی۔

حافظ صلاح الدین یوسف،اسلامی آداب معاشرت،میں ایفائے عہد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:
"ایک عہد وہ ہے جو انسان ایک دوسرے کیساتھ کرتے ہیں جسے قول و قرار کہا جاتا ہے۔ان کا ایفاء بھی ضروری ہے اس لئے کہ عہد کو پورا نہ کرنا منافق کی علامات میں سے ہے۔دوسرا عہد وہ ہے جو انسانوں نے اللہ کیساتھ کیا ہوا ہے اور وہ ہے اس کی ربوبیت والوہیت کا عہد کہ یااللہ !رب بھی تو ہی ہے اور الہ بھی تو ہے تیرے سوا کوئی نہ تو رب ہے نہ کوئی معبود اور نہ ہی حاجت روا۔یہ عہد الست کہلاتا ہے اس عہد کی رو سے ہر انسان اس بات کا پابند ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرے اور اسی کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرے۔نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرے نہ ہی اس کی اطاعت میں کسی کو شریک کرے۔" [1]

گویا کہ آج ہمارے معاشرے میں بعض سطحوں پر ایفائے عہد کا فقدان ہے۔اکثر لوگ خواہ وہ تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ،وہ وعدہ پورا کرنے کو اہمیت نہیں دیتے ہیں حالانکہ وعدہ کی پاسداری نہ کرنا تو وَلَا دِينَ لِمَن لَا عَهدَ لَه کے مصداق ہے۔وعدے کی وفاء تو دینداری کی علامت ہے اور وعدے کو پورا نہ کرنا،دین کے نہ ہونے کے مترادف ہے۔آج دین سے دوری کی بنا پر ہمارے معاشرے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ وعدہ ہی کیا جو وفاء ہو۔آج عوام الناس کے علاوہ ہمارے حکمران بھی وعدے کو پورا نہیں کرتے ہیں۔ہمارے حکمران اقتدار میں آنے سے پہلے عوام سے بہت بڑے بڑے وعدے کرتے ہیں لیکن اقتدار میں آنے کے بعد وہ عوام سے کئے ہوئے تمام وعدوں کو

[1] یوسف،حافظ صلاح الدین،اسلامی آداب معاشرت(لاہور،دارالسلام،2007ء)151-153

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فراموش کر دیتے ہیں جیسے کہ وعدے کی آخرت میں کوئی باز پرس ہی نہیں ہونی ہے۔ہمارے حکمران یہ بھول جاتے ہیں کہ وعدہ صرف زبان سے نکلے ہوئے چند کلمات کا نام نہیں ہے بلکہ وعدہ کا ایفاء بھی ضروری ہے اور آخرت میں وعدوں کے حوالے سے باز پرس بھی ہوگی۔

آج جب کوئی ہمارے حکمرانوں کو یاد دلاتا ہے کہ آپ نے اقتدار میں آنے سے پہلے اپنی عوام سے کچھ وعدے بھی کئے تھے اور اب عوام ان وعدوں کا مطالبہ بھی کر رہی ہے تو ہمارے حکمران کہتے ہیں کہ وہ تو ہم نے جوش خطابت میں کچھ باتیں کہہ دی تھیں، حالانکہ دین اسلام میں اسطرح کے کئے گئے وعدوں کی باز پرس ہے۔اسی طرح جب کوئی شخص کسی ادارہ میں ملازمت اختیار کرتا ہے تو اسے شرائط پر مبنی ایک ایگریمنٹ پر دستخط بھی کرنے پڑتے ہیں اور یہ ایگریمنٹ بھی وعدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔اگر اس ایگریمنٹ میں یہ لکھا ہو کہ افسران کو روزانہ صبح آٹھ بجے دفتر پہنچنا ہے اور روزانہ آٹھ گھنٹے ڈیوٹی کرنی ہے۔لہٰذا اب اگر کوئی افسر روزانہ ہی دیر سے نو بجے دفتر پہنچے اور وہ روزانہ ہی آٹھ گھنٹے کا دورانیہ پورا نہ کرے تو یہ بھی وعدہ خلافی ہے جو آج ہمارے معاشرے میں عام ہوتی جا رہی ہے۔

اسی طرح گھریلو زندگی میں شوہر ،بیویوں سے وعدے کرتے ہیں یا بیویاں اپنے شوہر سے وعدے کرتی ہیں ۔بعض اوقات والدین اپنی اولاد سے کچھ وعدے کرتے ہیں تو ان وعدوں کو پورا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔مزید یہ کہ ہمارے معاشرے میں بعض لوگ مزدور سے جو اجرت طے کرتے ہیں تو وہ اس طے شدہ اجرت کو پوری نہیں ادا کرتے اور بعض لوگ اجرت تو پوری ادا کر دیتے ہیں مگر وہ وقت پر ادا نہیں کرتے، حالانکہ مزدور سے جو اجرت طے ہوتی ہے اس کا ادا کرنا شرعاً بھی واجب ہے اور اخلاقاً بھی ضروری ہے۔

صبر

ناخوشگوار حالات میں استقامت کیساتھ ڈٹے رہنا، مخالف قوتوں سے الجھنا اور انے موقف و مشن سے پیچھے نہ ہٹنا، صبر کہلاتا ہے۔صبر انفرادی اور اجتماعی دونوں گوشوں میں مطلوب ہے۔اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کیساتھ ہیں۔صبر کرنے والوں کے لئے جنت میں اعلیٰ مراتب ہیں۔یہ دنیا پھولوں کی سیج نہیں ہے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صبر کے مراحل سے گزارتے ہیں یہاں تک کہ انبیاءؑ نے بھی دین کی خاطر کئی معاملات پر انتہائی اعلیٰ درجہ کا صبر کیا تھا ۔صبر ہمیشہ مصائب کی آمد کے آغاز میں کیا جاتا ہے۔بے صبری کے ذریعہ سے صبر کے اجر سے محروم رہ جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں صبر کا دامن تھام کر رکھا جائے اور نہ صرف صبر کیا جائے بلکہ صبر جمیل کیا جائے جس میں صبر کرنے کے بعد زبان سے سخت، نازیبا اور برائی پر مبنی کلمات نہیں ادا کئے جاتے۔لہٰذا ہمیں صبر جمیل کا اہتمام کرنا چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفتی ابو بکر جابر قاسمی، صبر کی اہمیت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"ہر انسان کا مزاج اور طبیعت دوسرے لوگوں سے مختلف ہوتی ہے، لیکن طبیعتوں کے اس اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی جب چند انسان ایک ساتھ زندگی گزار رہے ہوں اور ایک ساتھ رہ رہے ہوں تو ایسا ممکن نہیں ہے کہ کبھی بھی ان میں سے ایک کو دوسرے کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ کبھی جسمانی تکلیف پہنچے گی، کبھی روحانی، کبھی نفسیاتی۔ اس تکلیف پر صبر کرنے کی وجہ سے آدمی کو اجر و ثواب بھی دیا جاتا ہے۔ آپس کی نااتفاقی دین کو مونڈھ دینے والی ہے، یعنی جیسے استے سے سر کے بال ایک دم سے صاف ہو جاتے ہیں تو ایسے ہی آپس کی لڑائی سے دین ختم ہو جاتا ہے۔"[1]

گویا کہ انفرادی و اجتماعی زندگی، دونوں میں صبر کا دامن تھام کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں کافی حد تک صبر کا فقدان ہے اور لوگ جلد بے صبری پر آجاتے ہیں۔ صبر دراصل ایمان کی پختگی کی علامت ہے۔ گھریلو زندگی، مسجد، بازار، دفتر، پارلیمنٹ ہر جگہ صبر کا دامن تھام کر رکھنے کی ضرورت ہے لیکن بعض لوگوں کا صبر کا پیمانہ بہت جلد لبریز ہو جاتا ہے۔ صابر شخص کو معاشرے میں پسند کیا جاتا ہے جبکہ بے صبرے شخص کو لوگ پسند نہیں کرتے ہیں اور اللہ بھی صابرین کیساتھ ہوتے ہیں۔ یہ دنیا پھولوں کی سیج نہیں ہے اس دنیا میں پریشانیاں، غم و آلام، مصائب اور دکھ آکر رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو بھوک سے آزماتے ہیں، کسی کو خوف سے، کسی کو جانوں اور مالوں کے نقصان سے اور کسی کو پھلوں کے نقصان آزماتے ہیں۔ غرضیکہ اس دنیا میں ہر کسی کی آزمائش ہو کر رہتی ہے۔ کسی کی آزمائش کم ہو سکتی ہے اور کسی کی زیادہ، لیکن یہ کہ ہر کسی کی آزمائش ہو کر رہے گی، اللہ تعالیٰ نے تو اپنے انبیاء علیہم السلام کو بھی آزمایا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو شدید بیماری سے آزمایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معاشرتی بائیکاٹ اور سیاسی ظلم و جبر کے ذریعے سے آزمایا گیا اور نبی اکرم ﷺ کو تو کئی طرح سے آزمایا گیا، آپ ﷺ کو شعب ابی طالب، احد و خندق کے میدان اور دیگر محاذوں پر سخت آزمائش سے گزرنا پڑا۔ اس دنیا میں ہر کسی کی آزمائش کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے لیکن بعض لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مشکلات کے آنے پر صبر کیا جائے۔ دین اسلام میں صبر کرنے پر بڑا اجر و ثواب ہے۔ بعض لوگ بغیر کسی مشکل کے آنے پر اللہ سے صبر کی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ آپ ہمیں صبر کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے، بغیر کسی مصیبت کے یہ دعا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ صبر کا مانگنا دراصل مصیبت کا مانگنا ہے کیونکہ صبر تو ہوتا ہی مصیبتوں پر ہے۔ لہذا جب کوئی شخص بغیر مصیبت کے اللہ سے صبر مانگ رہا ہوتا ہے تو گویا وہ اللہ

---

[1] قاسمی، مفتی ابو بکر جابر، مسنون معاشرت (انڈیا، مکتبہ عمر، 2014ء) 1/ 66-68

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصیبت مانگ رہا ہوتا ہے۔ صبر تو مصیبت کے ابتدائی مرحلہ میں ہوتا ہے بعد میں تو انسان کو بالآخر صبر آہی جاتا ہے۔ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس موقع پر بھی ہمیں صبر کرنے کی ضرورت ہے لیکن بعض لوگ وفات کے موقع پر بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور بے صبری کی وجہ سے اللہ کے بارے میں نازیبا کلمات ادا کر رہے ہوتے ہیں، لہذا اس ضمن میں بھی ہمیں توجہ اور اصلاح کی ضرورت ہے۔ کرونا جیسے وبائی امراض میں ہمارے معاشرے میں بعض لوگوں نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ بعض لوگوں نے اپنے والدین کو چھوڑ کر دور چلے گئے، جو کہ درست طرز عمل نہیں تھا۔ ہر پریشانی اور بیماری اللہ کے اذن سے ہی آتی ہے۔ زندگی اور موت بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، لہذا ہر طرح کے مشکل حالات میں لوگوں کو صبر کا دامن تھام کر رکھنا چاہیے۔

باہمی عداوت سے اجتناب اور محبت کا حصول

دین اسلام باہمی محبت کی تلقین کرتا ہے اور باہمی عداوت سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے۔ اہل ایمان کی شیرازی بندی کے لئے ضروری ہے کہ اہل ایمان کے مابین عداوت کو ختم کیا جائے۔ اہل ایمان کی تو کفار کیساتھ عداوت ہونی چاہیے اور باہمی لحاظ سے الفت ہونی چاہیے۔ عداوت ایک ایسی چیز ہے جو اہل ایمان کے انتشار کا باعث بننے والی ہے اور اہل ایمان کو توڑ کر رکھ دینے والی ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل ایمان کی باہمی عدوات کو ختم کیا جائے اور ان کے درمیان باہمی محبت کو پروان چڑھایا جائے۔

ڈاکٹر خالد علوی، باہمی عداوت سے اجتناب اور محبت کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

"مسلم معاشرے کا استحکام اخوت، باہمی عداوت سے اجتناب اور محبت پر مبنی ہے۔ اسلامی معاشرہ رنگ و نسل اور بطن و جغرافیہ کے بجائے عقیدہ کی وحدت پر منظم ہوتا ہے اور عقیدے ہی کی بنیاد پر افرادِ معاشرہ اخوت کے رشتہ میں جڑے ہوتے ہیں تخریبی قوتیں مسلمانوں کی یک جہتی اور رشتہ اخوت کو تباہ کرنا چاہتی ہیں۔ لہذا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ جذبہ اخوت کی آبیاری کے لئے اقدامات کرے اور ان عوامل کا قلع قمع کرے جو رشتہ اخوت کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کا فرداریہ ہے کہ وہ اس جذبہ اخوت کو مستحکم کرنے کے سلسلہ میں اپنی تاثیر استعمال کرے اور اسلامی ریاست کیساتھ تعاون رکھے۔ ذرائع ابلاغ کی مدد سے منفی قوتوں کے زور کو توڑا جاسکتا ہے۔ ذرائع ابلاغ جذبہ اخوت کو بیدار رکھ کر مسلم معاشرے کی یک جہتی کو قائم رکھ سکتے ہیں۔" [1]

[1] علوی، ڈاکٹر خالد، اسلام کا معاشرتی نظام (لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، بدون سنۃ النشر) 421

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گویا کہ دین اسلام کا منشاء یہ ہے کہ اہل ایمان باہمی عداوت و دشمنی کو بھول کر آپس میں محبت سے رہیں۔اہل ایمان کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت ضروری ہے تاکہ اہل ایمان آپس میں قلبی اعتبار سے جڑے رہیں اور ان کے درمیان اخوت و الفت کی فضاء صحیح طور پر قائم رہے تاکہ کفار پر اہل ایمان کا خوف قائم رہے اور مسلمان اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا عملی مصداق بنیں۔لیکن اسوقت مسلمان بحیثیت مجموعی باہمی محبت کے بجائے نفرتوں اور عداوت کا شکار ہیں۔ بعض ایک دوسرے سے روٹھ کر بیٹھے ہیں، بعض اپنوں سے ملنا نہیں چاہتے ،شکل نہیں دیکھنا چاہتے، بعض دوسروں سے بات کرنا گوارا نہیں کرتے۔

مذکورہ صورتحال کیوجہ سے اہل ایمان کے مابین نفرتیں، کدورتیں، عداوتیں اور رنجشیں پنپ رہی ہیں اور محبت و الفت کا فقدان ہے۔ بعض لوگ اپنے رشتہ داروں سے محض اسلئے خفا اور ناراض ہیں کیونکہ انکے رشتہ داروں نے ان کے سیاسی قائد پر تنقید کی ہے لہذا قائد کو برا بھلا کہنے کیوجہ سے اب وہ اپنے اس رشتہ دار سے ملنا اور بات چیت کرنا نہیں چاہتے ہیں اور وہ انکا موبائل نمبر بلاک کر دیتے ہیں اور قطع تعلقی کر دیتے ہیں۔اسوقت ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل ایمان آپس کے فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے محبت و الفت کیساتھ رہیں تاکہ وہ قطع تعلقی کے گناہ سے بچ سکیں۔اہل ایمان کے درمیان محبت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ انکے درمیان باہمی ملاقاتیں بھی ہوں لیکن آج کے مشینی اور مادّہ پرستی کے دور میں ہمارے معاشرے میں باہمی ملاقتوں کا فقدان ہوتا چلا جارہا ہے جو کہ قابل توجہ اور اصلاح طلب ہے۔

باہمی محبت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے پر مال خرچ کریں اور بالخصوص غرباء اور مساکین کی مالی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کریں، فاقہ کشوں کو کھانا کھلائیں، پیاسوں کے لئے پانی کی دستیابی کا انتظام کریں لیکن افسوس آج اُمت کی اکثریت اس فکر سے غافل ہے اور اکثر لوگوں کو محض اپنی ضروریات، عیش و عشرت اور اعلیٰ معیار زندگی کی فکر کھائے جارہی ہے۔لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم غرباء اور مساکین کی مالی ضروریات اور فاقہ کشوں کے خورد ونوش کا بھی خیال رکھیں اور مقدور بھر انکی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔باہمی محبت کے لئے اپنے دوست، احباب اور جاننے والوں کی عیادت کرنا بھی ایک مؤثر طریقہ ہے ۔لیکن آج کے اس مادّہ پرستی کے دور میں اکثر لوگ صرف اس کی عیادت کرتے ہیں جن سے انہیں کوئی دنیاوی فائدہ ہوتا ہے۔یہ بھی ایک قابل توجہ اور قابل اصلاح معاملہ ہے۔

فحش باتوں سے اجتناب

دین اسلام فحش باتوں اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کا حکم دیتا ہے۔ فحش باتوں اور بے حیائی کے کاموں سے انسانی کی ایمانی کیفیت میں کمی واقع ہوتی ہے۔حیاء ایمان کی طرف لیکر جاتی ہے جبکہ بے حیائی نفاق کی طرف لے کر جاتی ہے۔ فحش باتوں اور فحش کاموں سے انسان کو عبادت میں حلاوت محسوس نہیں ہوتی۔بے حیائی کے ذریعہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسان کے تقوی میں کمی واقع ہوتی ہے۔بے حیائی انسان کو دین سے دور کر دیتی ہیں۔جبکہ حیاء انسان کے دین کے بھی قریب کرتی ہے اور اللہ کے بھی قریب کرتی ہے۔دین اسلام حیاء کی تعلیم دیتاہے اور اسے فروغ بھی کرتا ہے۔۔حیاء ایک ڈھال کی مانند ہے جو انسان کو فحش باتوں اور فحش کاموں سے بچالیتی ہے۔لہذا ہمیں چاہیے کہ فحش باتوں اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کریں اور حیاء کو اختیار کریں اور حیاء پر مبنی کاموں کو فروغ دیں۔

مولانامودودی صاحب،فحاشی کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

"امریکہ میں جن عورتوں نے زناکاری کو مستقل پیشہ بنالیا ہے۔ان کی تعداد کا کم سے کم اندازہ چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔مگر امریکہ کی بیسوا کو ہندوستان کی بیسوا پر قیاس نہ کیجئے۔وہ خاندانی بیسوا نہیں ہے بلکہ اس معاشرے کی عورت ایک ایسی عورت ہے جو کل تک کوئی آزاد پیشہ کرتی تھی۔بری صحبت میں خراب ہوگئی اور قحبہ خانہ میں آبیٹھی،چند سال یہاں گزارے گی پھر اس کام کو چھوڑ کر کسی دفتر یا کارخانہ میں ملازم ہو جائیگی۔امریکہ کے جتنے رقص خانے،کلب، حسن گاہیں، ہاتھوں کو خوبصورت بنانے کی دکانیں، مالش کدے اور بال سنوارنے کی دکانیں ہیں، قریب قریب سب باقاعدہ قحبہ خانے (فحاشی خانے) بن چکے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔کیونکہ وہاں ناقابل بیان افعال کاارتکاب کیاجاتاہے۔فواحش کی اس کثرت کالازمی نتیجہ امراض خبیثہ کی کثرت ہے۔" [1]

جیسا کہ دین اسلام نے ہمیں فحاشی سے منع کیا ہے لیکن فی الوقت میڈیا کی ترقی اور ماڈرنزم کے غلبہ کی وجہ سے مسلم معاشرے میں فحاشی کا تناسب بڑھ رہاہے جو کہ لمحہ فکریہ ہے۔سوشل میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ سے اگرچہ دین کو سیکھنا سکھانا آسان ہوا ہے لیکن ان مذکورہ میڈیا کے ذرائع کیساتھ فحاشی کا سیلاب بھی آیاہے جو کہ مسلم معاشرے بالخصوص ہماری نوجوان نسل کے لئے بہت ہی خطرناک ہے۔دراصل حیاء اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص حیادار ہے تو اس کے اندر ایمان ہے بالفظ دیگر اس کا ایمان محفوظ ہے اور اگر کوئی شخص بے حیاہے تو اس کے اندر ایمان نہیں ہے بالفظ دیگر اس کا ایمان محفوظ نہیں ہے۔مسلم معاشرے میں فحاشی کے واقعات کی بڑھتی ہی تعداد نہایت افسوس ناک اور قابل توجہ و اصلاح ہے۔اس وقت اسکول، کالجز اور یونیورسٹیز میں فحاشی کے واقعات بڑھتے جارہے ہیں۔بے پردہ خواتین کی تعداد بھی کثیر ہے۔معاشرہ میں زنا بالرضا کے واقعات بڑھ رہے ہیں۔بعض لوگ بے پردگی اور زنا کو برا نہیں سمجھتے ہیں اسی لئے اس کی شرح میں اضافہ ہورہاہے۔ماڈرنزم،ایجوکیشن، کلچر اور خواندگی کے نام پر خواتین کے سروں سے دوپٹہ جاتا جارہاہے۔

[1] مودودی،سید ابوالاعلیٰ،پردہ(لاہور،اسلامک پبلیکیشنز،2005ء) 92-90

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظلم سے اجتناب

دین اسلام ظلم سے اجتناب اور عدل کے نفاذ کی تلقین کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عادل ہیں، وہ عدل کو پسند کرتے ہیں اور ظلم کو ناپسند کرتے ہیں اسی لئے اسلام ظلم کی بیخ کنی کرتا ہے۔ ظلم سے معاشرے میں خوف وہراس اور انتشار پھیلتا ہے۔ ظلم سے معاشرے میں دو طبقات بن جاتے ہیں، ایک ظالم اور دوسرا مظلوم۔ ظالم ناحق طور پر لوگوں پر زیادتی، جبر اور ظلم کرتا ہے۔ جس سے معاشرے میں بے امنی، انتشار اور خوف کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ظالم، کمزوروں اور بے کسوں پر ظلم کرتا ہے۔ دین اسلام ظلم کے خاتمہ اور عدل کے نفاذ کی تلقین کرتا ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرہ میں رائج ظلم کی جو بھی صورتیں ہوں ان کو ختم کیا جائے اور عدل کے نفاذ کے لئے کوشش کی جائے۔

یوسف اصلاحی صاحب، شعورِ حیات، میں ایفائے عہد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"اللہ کے غضب کو بھڑکانے، اس کے ہولناک عذاب کو دعوت دینے اور اس کی غیرت کو چیلنج کرنے والی سب سے زیادہ شدید اور بدترین برائی یہ ہے کہ کوئی ساحب قوت واختیار فرد یا گروہ اللہ کے بندوں پر ظلم ڈھائے، ان کا ناحق خون بہائے، ان کے آباد گھروں اور بستیوں کو جلائے اور تباہ وبرباد کرے۔ ان کے معصوم بچوں کو بھوک وپیاس کی مار دے کر اور ان کو تڑپا کر ہلاک رکے ان کی پاک دامن خواتین کی عصمتیں لوٹے، ان کے بوڑھوں کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنائے ان کے جوانوں کو ایذائیں دے کر ان کو مفلوج ومعذور بنائے اور ان کو جوانی کی لذتوں سے محتروم کرنے کی کوشش کرے۔" [1]

جیسا کہ ظلم ایک قابل مذمت عمل ہے۔ ظلم کی ایک بڑی وجہ اختیار ہوا کرتی ہے۔ اکثر لوگ اپنے اختیار کا صحیح استعمال نہیں کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ظلم کا صدور ہوتا ہے۔ اگر تمام لوگ اپنے اختیار کا صحیح استعمال کرنا شروع کر دیں تو معاشرے سے ظلم کی شرح کم ہو جائے گی۔ ظلم کی ایک دوسری وجہ طاقت ہوتی ہے۔ طاقت چاہے جسمانی ہو اقتدار کی ہو، ہر طاقت کا درست استعمال ضروری ہے۔ جسمانی طاقت کے غلط استعمال سے بھی ظلم کا صدور ہوتا ہے لہذا طاقت کا صحیح، مناسب اور قانون کے دائرے میں استعمال ضروری ہو وگرنہ معاشرے میں ظلم کی فضا قائم ہو گی۔ ظلم کی تیسری وجہ محاسبہ کا فقدان ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص دیکھتا ہے کہ کسی کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے یعنی اس کا وارث اور سرپرست کوئی نہیں ہے لہذا اس صورت میں اگر یہ اس پر ظلم کرے گا تو اس سے کوئی بھی محاسبہ نہیں کریگا اور کوئی اسے دیکھنے والا، گرفت کرنے والا اور بازپرس کرنے والا کوئی نہیں ہے تو پھر یہ شخص ظلم پر آمادہ

---

[1] اصلاحی، محمد یوسف، شعور حیات (لاہور، البدر پبلیکیشنز، 2010ء) 289

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتا ہے۔ ظلم خواہ عدم محاسبہ کیوجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے دونوں صورتوں میں یہ غلط ہے۔دین اسلام ظلم کی مذمت کرتا ہے اور عدل وانصاف کی تعلیم دیتا ہے۔

اخلاق حسنہ

دین اسلام اچھے اخلاق سے گفتگو کرنے کی تلقین کرتا ہے اور بداخلاقی کی مذمت کرتا ہے۔اس وقت ہمارے معاشرے میں اکثر لوگوں کا اخلاق معیاری نہیں ہے۔اکثر مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے اچھے اخلاق سے گفتگو نہیں کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کی روزمرہ گفتگو میں گالی گلوچ، بداخلاقی، زبان درازی، بدتمیزی اور کرخت لہجے میں گفتگو کرنا شامل ہے۔اس وقت نہ صرف عوام بلکہ بعض خواص بھی بداخلاقی کا شکار ہیں اور انہیں بھی اس ضمن میں اصلاح درکار ہے۔بداخلاقی سے مسلمانوں کے مابین محبت کم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات دلوں میں دوریاں اور زمینی فاصلے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔اخلاقِ حسنہ کا حامل شخص بہت جلد لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتا ہے۔بااخلاق شخص سے لوگ ملنا اور بات کرنا پسند کرتے ہیں۔اچھا اخلاق انسان کے وجود کو زینت بخشتا ہے اور اس کی شخصیت کو نکھارتا ہے۔اخلاق حسنہ، دین اسلام کے خواص میں سے ہے۔لہذا ہمیں چاہیے کہ اخلاق رذیلہ کو چھوڑ کر اخلاق حسنہ کو اختیار کریں تاکہ اپنے رب کی خوشنودی ورضا کیساتھ ساتھ عظیم اجر سے مستفید ہوں۔

ڈاکٹر اسرار احمد، علم اخلاق اور اخلاقیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"علم اخلاق یا اخلاقیات کے ذیل میں قرآن حکیم کی اہم ترین تعلیم جو اخلاقیات کی فلسفیانہ اساس بنتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے نفس میں اللہ تعالیٰ نے نیکی وبدی کا شعور الہامی طور پر ودیعت کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ میں نے آج اپنی گفتگو کا آغاز سورۃ الشمس کی اِن آیات سے کیا ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا (اور نفسِ انسانی کی قسم اور جیسا کچھ اللہ نے اس کو بنایا، سنوارا، اس کی نوک پلک درست کی) فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (اور الہامی طور پر اس میں ودیعت کر دیا فجور اور تقویٰ کا علم) نیکی اور بدی کا شعور، خیر اور شر کا امتیاز، اِثم وبرّ کے مابین تمیز۔اور یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں نیکی اور بدی کے لیے خیر اور شر کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں' اِثم وبرّ کے الفاظ بھی آئے ہیں' لیکن جامع ترین اصطلاح ہے "معروف" اور "منکر""[1]

---

[1] ڈاکٹر اسرار، احمد، اسلام کا اَخلاقی اور روحانی نظام (کراچی، انجمن خدام القرآن سندھ، 2016) 8-7

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گویا کہ اخلاق کی اہمیت سے انکار قطعاً ممکن نہیں ہے۔اس اُمت کے نبی ﷺ بلاشبہ اخلاق کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے لیکن فی الوقت اُمت مسلمہ کی ایک بڑی اکثریت اخلاقی زوال کا شکار ہے۔بہت سے لوگوں کا اخلاق بہت خراب ہے، بداخلاقی عام ہوتی جارہی ہے۔گفتگو میں لفظ "آپ" کی جگہ "تو اور تم" کی کثرت ہورہی ہے۔بدتمیزی کا معاملہ پھیل رہاہے۔چھوٹی چھوٹی باتوں پر بداخلاقی کا معاملہ کیا جاتاہے اور لوگوں کی عزت اور پگڑیاں اچھال دی جاتی ہیں۔دفتر، تعلیمی ادارے اور پارلیمنٹ میں بھی آج اخلاق کا فقدان نظر آتا ہے۔وہ حضرات جو معمار انسانیت کے مراتب پر فائز ہوئے ان میں سے بھی اکثریت کا اخلاق معیاری نہیں ہے۔لوگ آپس میں ایک دوسرے سے اچھے اخلاق سے گفتگو نہیں کرتے ہیں، بدتمیزی سے بات کرنا عام ہوتا جارہاہے اور اسے ہمارے ماشرے میں بالکل بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اُمت کے افراد اپنے اخلاق کو بہتر بنائیں اور معیاری اخلاق کے ساتھ دوسروں سے پیش آئیں۔کالج اور یونیورسٹیز میں طلباء اور اساتذہ کرام کو چاہیے کہ اچھے اخلاق سے گفتگو کریں،اسی طرح دفاتر میں افسران اور ماتحتوں کو چاہیے کہ وہ بھی اچھے اخلاق سے گفتگو کرکے ایک اچھے مسلمان اور پڑھے لکھے، مہذب شہری ہونے کا مظاہرہ کریں۔حسن اخلاق کا یہ بھی تقاضاہے کہ انسان جہاں لوگوں کو برا بھلا کہنے سے اجتناب کرتا ہے تو اسی طرح انسان زمانہ کو بھی برا بھلا نہ کہے کیونکہ حدیث میں اس کی بھی ممانعت وارد ہوئی ہے۔دراصل حدیث قدسی میں اللہ رب العزت نے یہ فرمایاہے کہ میں ہی زمانہ ہو، گویا جب کوئی شخص زمانہ کو برا کہتاہے تو دراصل اس کی زد معاذاللہ، رب العزت پر پڑتی ہے اسلئے اس سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔اخلاقیات کا یہ بھی تقاضاہے کہ انسان دوسرے لوگوں کے آگے دستِ سوال دراز نہ کرے اِلّا یہ کہ انتہائی مجبوری ہو۔کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے انسان کے وقار میں کمی واقع ہوتی ہے اسی لئے شریعت اسلامیہ نے اس امر کو ناپسند فرمایاہے لہٰذا اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

تکبر سے اجتناب

دین اسلام تکبر سے اجتناب اور عاجزی کو اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔تکبر سے انسان کے اندر گھمنڈ پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ دوسرے لوگوں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنے لگتاہے۔تکبر ایک بہت بڑا گناہ ہے۔تکبر کرنے والے کو جنت میں داخل نہیں کیا جائیگا۔کبر تو اللہ کی چادر ہے،جو شخص تکبر کرتا ہے تو گویا وہ اللہ سے اسکی چادر کو(معاذ اللہ) کھینچتاہے۔انسانوں کو تکبر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔انسان کے پاس عقل، دولت، نسب، رتبہ، یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہواہے اور اس میں سے کچھ بھی انسان کا اپنا نہیں ہے۔لہٰذا انسان اگر تکبر کرتا بھی ہے تو بالاخر کس بات پر تکبر کرتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اسی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ کبر اللہ کی چادر ہے۔ تکبر کرنے والے شخص کو معاشرے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے اور تکبر کرنا سماجی آداب کے خلاف ہے۔عاجزی اختیار کرنا،اعلٰی اخلاق کی علامت ہے۔لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تکبر سے اجتناب کیا جائے اور عاجزی اختیار کی جائے۔

احمد جاوید صاحب،ترک رذائل کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ:

"دوسروں کی تحقیر کرتے ہوئے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا تکبر ہے۔کسی واقعی خوبی اور فضیلت کی بنیاد پر اپنے آپ کو بعض ایسے لوگوں سے بہتر سمجھنا کو وہی خوبی یا فضیلت یا تو سرے سے رکھتے ہی نہیں یا مقابلتاً کم رکھتے ہیں۔ممکن ہے کہ نامناسب تو ہو مگر تکبر نہیں ہے۔ تکبر کا ایک لازمی جزو دوسروں کو حقارت سے دیکھنا ہے۔تکبر کی دو قسمیں ہیں :ایک مطلق اور دوسری جزوی۔مطلق تکبر یہ ہے کہ آدمی اپنی واقعی یا فرضی خوبی کی نسبت اللہ کی طرف کئے بغیر دوسروں کو تحقیر کی نظر سے دیکھے۔یہ تکبر شرک اور کفر تک پہنچا دیتا ہے۔جزوی تکبر میں آدمی اس خوبی کو اللہ کی دین سمجھتا ہے مگر اس کی روح سے بیگانہ ہو کر اسے دوسروں کی توہین و تحقیر کا ذریعہ بنالیتا ہے۔"[1]

گویا کہ تکبر ایک برا وصف ہے اور قرآن و سنت میں بھی اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔لوگ مختلف وجوہات کی بنا پر تکبر کرتے ہیں۔تکبر جس بنیاد پر بھی کیا جائے وہ ناجائز اور مذموم ہے۔بعض لوگ اپنے علم کی بنیاد پر تکبر کرتے ہیں تو یہ جان لینا چاہیے کہ یہ علم انسان کا اپنا نہیں ہے یہ علم اللہ ہی نے انسان کو عطا کیا ہے اور ہر علم والے کے اوپر ایک بڑا علم والا ہوتا ہے۔بعض لوگ اپنے حسب نسب کی بنیاد پر تکبر کرتے ہیں تو اس ضمن میں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے بادشاہ یا فقیر کے گھر میں نہیں پیدا ہوتا بلکہ یہ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے،لہذا یہ تکبر بے بنیاد ہے۔بعض لوگ اپنے اقتدار اور طاقت کی بنیاد پر تکبر کرتے ہیں۔

آج انسان کے پاس جتنی بھی طاقت اور اقتدار ہے یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے اور یہ سب اللہ کے حکم کے تابع ہے۔اللہ کی طاقت اور اقتدار کے سامنے یہ سب ،کچھ حیثیت نہیں رکھتا،دنیاوی طاقت و اقتدار عارضی ہے لہذا اس طاقت واقتدار کو صحیح جگہ استعمال کرنے کی ضرورت ہے ورنہ روزِ قیامت اس حوالے سے باز پرس ہو گی۔اللہ سبحانہ و تعالٰی نے طاقت و اقتدار حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کو بھی عطا کیا تھا لیکن انہوں نے اپنی طاقت و اقتدار کو اللہ کے حکم

[1] جاوید،احمد،ترک رذائل(اسلام آباد،پورب اکادمی،2012) 35-34

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق جائز طور پر استعمال کیا۔لہذا طاقت و اقتدار کی بنیاد پر تکبر کرنا درست نہیں ہے۔ بعض لوگ مال و دولت کی بنیاد پر تکبر کرتے ہیں۔ مال و دولت بھی عارضی شے ہے، آج مال ہے کل نہیں ہو گا۔ اللہ جب چاہے تو بطور آزمائش اس مال کو ضائع بھی کر سکتے ہیں۔ مال و دولت، اقتدار، حسب و نسب یہ سب کچھ تکبر کے لئے نہیں ہے بلکہ آزمائش کے لئے ہے۔ لہذا ہر معاملہ میں تکبر سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

حسن ظن

شریعتِ اسلامیہ میں حسن ظن کو اختیار کرنے اور سوئے ظن سے اجتناب کرنے کی تلقین ہے۔ حسن ظن سے اہل ایمان کے مابین محبت بر قرار رہتی ہے اور سوئے ظن کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان باہمی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ چونکہ ہمیں غیب کا علم نہیں ہوتا، جسکی وجہ سے ہمیں یہ نہیں پتہ چلتا کہ سامنا والا شخص سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم سامنے والے کی بات کو جھوٹا سمجھ کر اس کے حوالے سے بدگمانی کر رہے ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ سچا ہوتا ہے، اسلئے اسلام نے ہمیں حسن ظن کی تلقین کی ہے۔ چاہے کوئی سچ بول رہا ہو یا جھوٹ، ہمیں چاہیے کہ ہم حسن ظن کرتے ہوئے اس کی بات کا اعتبار کر لیں اور اس معاملہ کے انجام کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ حسن ظن کے ذریعہ سے ہم سوئے ظن کے گناہ اور باہمی عداوت، رنجش اور کدورت سے بھی بچ جاتے ہیں۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم سوئے ظن کے بجائے حسن ظن کو اختیار کریں اور سوئے ظن کے عظیم گناہ سے بچ سکیں۔

شعبہ مجلس المدینۃ العلمیۃ، اپنی کتاب "بدگمانی" میں سوئے ظن کی قباحت کے ذیل میں بیان کرتے ہیں کہ:

"مسلمانوں سے اچھا گمان کرنا، ان پر بدگمانی نہ کرنا یہ بھی اچھی عبادات میں سے ایک عبادت ہے۔ بدگمانی کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دل کے بھیدوں کو صرف اللہ جانتا ہے لہذا تمہارے لئے کسی کے بارے میں برا گمان رکھنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک تم اس کی برائی اس برح ظاہر نہ دیکھو کہ اس میں تاویل کی گنجائش نہ رہے۔ پس اس وقت تمہیں لا محالہ اسی چیز کا یقین کرھنا پڑے گا جسے تم نے جانا اور دیکھا ہے اور اگر تم نے اس کی برائی کو نہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور نہ ہی کانوں سے سنا مگر پھر بھی تمہارے دل میں اس کے بارے میں برا گمان پیدا ہو تو سمجھ جاؤ کہ یہ بات تمہارے دل میں شیطان نے ڈالی ہے۔ اس وقت تمہیں چاہیے کہ دل میں آنے والے اس گمان کو جھٹلا دو کیونکہ یہ سب سے بڑا فسق ہے"[1]

[1] مجلس المدینۃ العلمیۃ، دعوت اسلامی، بدگمانی (کراچی، مکتبۃ المدینہ، 1425ھ) 35-34

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گویا کہ دین اسلام میں حسن ظن کو اختیار کرنے اور سوئے ظن سے اجتناب کی تلقین ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں بعض لوگ حسن ظن کے بجائے سوئے ظن سے کام لیتے ہیں اور اسوقت معاشرے میں سوئے ظن کا معاملہ بڑھتا جارہاہے ۔ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بدگمانیاں کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور کثرت کیساتھ سوئے ظن کررہے ہوتے ہیں اور جب انہیں سوئے ظن سے منع کیا جاتاہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو اس شخص نیت اور ارادہ کا پہلے سے ہی علم تھا، ہمیں تو پتہ تھا کہ اس نے ہمارے ساتھ ایسے ہی کرنا ہے، اس کی نیت میں تو شروع سے ہی فطور تھا، یہ تو ہمیشہ ہی اپنی نیت میں کھوٹ رکھتا ہے۔ یہ طرز عمل اختیار کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ہمارے پاس غیب کا علم نہیں ہے اور ہم کسی کے دل میں جھانک کر نہیں دیکھ سکتے کہ فلاں شخص کی اصل نیت اور ارادہ کیا ہے اسی لئے دین اسلام نے ہمیں حسن ظن کی تعلیم دی ہے تاکہ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر ہم خوامخواہ کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اگر کسی شخص نے ہم سے یہ طے کیا ہو کہ وہ کل شام پانچ بجے ہمارے گھر آئیگا اور اگلے دن جب ٹائم پانچ بجے کچھ سے اوپر ہو جاتا ہے اور اس کی تاخیر کی کوئی اطلاع ہی نہیں ہوتی تو فوراً ہم لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ مجھے تو کل ہی شک ہو رہا تھا کہ یہ آئیگا ہی نہیں، اصلاً تو اس کا آنے کا ارادہ تھا ہی نہیں، یہ تو محض ڈرامے کر رہا تھا۔ تو ہمارے یہ طرز عمل درست نہیں ہو تا ہے اور اسی کو سوئے ظن یعنی بدگمانی کہتے ہیں اور بدگمانی کرنا اسلام میں منع ہے۔ اس موقع پر ہمارا یہ طرز عمل ہونا چاہیے کہ شاید وہ بھول ہی گیا ہو کہ آج اسے میرے پاس ملاقات کے لئے آنا تھا، یا شاید وہ ابھی راستے میں ہی ہو اور پہنچنے ہی والا ہو، شاید اس کے موبائل میں بیلنس ختم ہو گیا ہو کہ وہ مجھے تاخیر کی اطلاع دے دیتا ۔ لہذا ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کے حوالے سے اس طرح حسن ظن سے کام لینا چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تجزیہ و تلخیص

ہمارے موجودہ معاشرے میں روزبروز سماجی آداب میں کمی واقع ہو رہی ہے۔جو معاشرہ سماجی آداب میں جتنا بلند ہوتا ہے وہ اتنا ہی کامیاب ہوتا ہے۔آج ہمارے معاشرے میں ایفائے عہد کا فقدان ہوتا جارہا ہے۔وعدے کی وفاء کو بعض لوگ بالکل بھی اہمیت نہیں دیتے ہیں جو کہ دینی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے برا بھی ہے اور خطرناک بھی ہے۔حالانکہ وعدے کی وفاء تو دینداری کی علامت ہے۔لہذا ضرور اس امر کی ہے کہ ایفائے عہد کی اہمیت کو سمجھا جائے اور وعدے کو پورا کیا جائے۔

زندگی کے دونوں گوشے انفرادی و اجتماعی میں صبر کی بہت اہمیت ہے۔آج مسلم معاشرے میں صبر کے بجائے بے صبری کا مظاہرہ بڑھتا ہوا نظر آرہا ہے۔خانگی زندگی،بازار،مساجد،دفاتر،غرضیکہ اکثر جگہوں پر صبر کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔بے صبری ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے انبیاء کو بھی آزمایا ہے۔جنت میں اعلیٰ مراتب بھی صبر کے طفیل ہی ملیں گے،لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم صبر کا دامن تھام کر رکھیں۔

باہمی عداوت سے اجتناب اور محبت کا حصول مسلم معاشرے کے لئے نہایت ضروری ہے۔اہل ایمان کی باہمی محبت ملت اسلامیہ کی یکجہتی کے لئے لازم وملزوم ہے۔لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ہر صورت ختم کیا جائے اور ایسے عناصر و محرکات کو فروغ دیا جائے جو اسلامی معاشرہ کی شیرازہ بندی کا سبب بنیں اور اہل ایمان کی باہمی محبت والفت کی وجہ سے اخوت وبھائی چارہ کی حقیقی فضا قائم ہو سکے۔

سماجی آداب میں فحاشی سے اجتناب بھی لازم ہے۔حیاء ہے کی ضد فحاشی ہے۔دین اسلام حیاء کی ترویج کرتا ہے اور فحاشی کی بیخ کنی کرتا ہے۔جدید تکنیکی آلات کیوجہ سے اس وقت بڑھتی ہوئی بے حیائی اور فحاشی کے آگے بند باندھنا اور فحاشی کے ذرائع کو حتی الوسع بند کرنا ضروری ہے وگرنہ اہل ایمان کے ضیاع کا شدد خدشہ ہے۔لہذا حیاء کی آبیاری اور ترویج کی ضرورت ہے۔

انصاف کی ضد ظلم ہے۔دینِ اسلام عدل و قسط کا نظام عطا کرتا ہے۔عدل کرنے والا اللہ کے قریب ہوتا ہے اور ظلم کرنے والا اللہ سے دور ہوتا ہے۔ظلم کا دور ابدی نہیں ہوتا بعض اوقات مظلومین کی آزمائش کے لئے ظالم کی رسی دراز ہو جاتی ہے لیکن بالآخر ظالم اور ظلم کا دور ختم ہو جاتا ہے اور مظلومین کو سکھ اور چین کا سانس لینے کا موقع مل جاتا ہے۔لہذا ہمیں چاہیے کہ ظلم کا خاتمہ کریں اور عادلانہ نظام قائم کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سماجی آداب میں اخلاق کی بہت اہمیت ہے۔ موجودہ دور میں مسلمان اخلاقی لحاظ سے کچھ کمزور ہیں اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ اخلاق کا فقدان اَن پڑھ طبقہ کی نسبت پڑھے لکھے طبقہ میں اسوقت زیادہ پایا جارہا ہے۔ اکثر لوگ غیر معیاری اخلاق سے گفتگو کرتے ہیں جو کہ سماجی آداب کے خلاف ہے۔ اچھے اور عمدہ اخلاق سے گفتگو کرنا یہ اُمت محمدیہ ﷺ کا وصف ہے، لہذا ہمیں اپنے اخلاق کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

تکبر سے اجتناب بھی سماجی آداب میں داخل ہے۔ اللہ کو عاجز بندے پسند ہیں۔ مومن کو تکبر زیب نہیں دیتا۔ اسلام تکبر کی مذمت کرتا ہے اور عاجزی کی تلقین کرتا ہے۔ دینی، اخلاقی، روحانی اور سماجی لحاظ سے بھی تکبر ایک قبیح عمل ہے۔ تکبر کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ تکبر، کفار کا شیوہ ہے اور عاجزی مؤمنین کا شیوہ ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ تکبر سے اجتناب کریں اور عاجزی اختیار کریں۔

سماجی آداب میں حسن ظن بھی داخل ہے۔ دین اسلام حسن ظن کی تعلیم اور بدگمانی سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے۔ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لئے حسن ظن لازم و ملزوم ہے۔ حسن ظن اختیار کرنے سے اہل ایمان کے درمیان محبت قائم رہتی ہے اور سوئے ظن سے دلوں میں دوریاں پیدا ہوتی ہیں لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم حسن ظن کو اختیار کریں اور سوئے ظن سے اجتناب کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم:

احادیث قدسیہ میں مذکور سماجی آداب کی عصری معنویت

سماجی آداب کی عصری معنویت پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ فی الوقت ہمارے معاشرے میں سماجی آداب کے حوالے سے اصلاح کی کافی ضرورت ہے۔ معاشرے کو سماجی آداب سے مزین کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمیں اس ضمن میں حتی الوسع اصلاحی اقدامات کرنے پڑیں گے۔ سماج سے متعلق جو سماجی آداب ہیں جیسے ایفائے عہد، صبر، بغض و عداوت سے اجتناب، فحاشی سے اجتناب، ظلم سے اجتناب، اخلاق حسنہ، تکبر سے اجتناب، حسن ظن وغیرہ ہمیں ان سماجی آداب کو بغور دیکھنا ہو گا اور فی الوقت ہمارے معاشرے میں ان آداب کے حوالے سے جو کمی و کوتاہی پائی جارہی ہے، ان میں بہتری کی صورتیں نکال کر اصلاحی اقدامات کرنے پڑیں گے۔

آج ہمارے معاشرے میں بعض لوگ ایفائے عہد کو اہمیت نہیں دیتے ہیں اور وہ وعدے توڑنے کو بالکل بھی برا نہیں سمجھتے ہیں۔ جدید معاشرے پر جب ایفائے عہد کی تعلیمات کی عصری معنویت دیکھی جاتی ہے تو اس ضمن میں ہمیں کچھ فرق نظر آتا ہے لہذا اس فرق کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح بعض لوگ غم و آلام اور مصائب پر بالکل آپے سے باہر ہو کر واویلا مچانا شروع کر دیتے ہیں اور صبر کا دامن چھوڑ دیتے ہیں، بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں جو کہ سماجی آداب کے خلاف ہے۔ اگر جدید معاشرے پر صبر کی تعلیمات کی عصری معنویت دیکھی جائیں تو اس ضمن میں ہمیں کچھ فرق نظر آئیگا، ضرورت اس امر کی ہے کہ اصلاحی اقدامات کر کے اس فرق کو ختم کیا جائے۔

بعض حضرات و خواتین کسی ناراضگی یا رنجش کی بنا پر اپنے رشتہ داروں یا ملنے جلنے والوں سے عداوت اور بغض اختیار کر بیٹھتے ہیں جو کہ سماجی آداب کے خلاف ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ کی رضا کی خاطر عیال اللہ کیساتھ صلہ رحمی بھی اسلام ہی کی تعلیم ہے لہذا عداوت کو چھوڑ کر محبت والفت کے بیج بوئے جائیں۔ جدید معاشرے پر اگر باہمی محبت سے متعلق ارشادات کی عصری معنویت دیکھی جائے تو اس ضمن میں ہمیں کچھ تفاوت نظر آئیگا، لہذا ہمیں اس فرق کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ فحاشی پر مبنی باتیں اور افعال کا ارتکاب کرتے ہیں جو کہ صالح معاشرے کی علامت نہیں ہے۔ سماجی آداب کے تحت معاشرے سے بے حیائی اور فحاشی کا خاتمہ کرنا چاہیے۔ فحاشی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ حیاء پر مبنی تعلیمات کو عام کرنا بھی ضروری ہے۔ حیاء کی ترویج سے بھی بے حیائی کے اثرات کم ہوتے ہیں اور فحاشی کی شرح میں کمی واقع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے۔ موجودہ معاشرے پر اگر حیاء کی اقدار کی عصری معنویت دیکھی جائے تو اس ضمن میں ہمیں تفاوت نظر آتا ہے لہذا ہمیں چاہیے کہ اس تفاوت کو ختم کریں۔

کچھ لوگ اپنے اقتدار کو تقویت دینے کے لئے لوگوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں۔ عوام الناس پر ظلم کرنا سماجی آداب کے خلاف ہے۔ ظلم انصاف کی ضد ہے اللہ تعالیٰ انصاف کا حکم دیتے ہیں اور ظلم سے منع کرتے ہیں۔ انبیاءؑ نے بھی اپنی قوم کو وقت کے جابروں سے نجات دی ہے۔ اسلام ایک عادلانہ دین ہے اور عدل کی تلقین کرتا ہے اور ظلم کی مذمت کرتا ہے۔ عصری معاشرے پر اگر ہم عدل کی تعلیمات کی عصری معنویت دیکھی جائے تو ہمیں ظلم کی کثرت نظر آتی ہے۔ لہذا ظلم کو ختم کرکے عدل کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح اخلاق حسنہ، تکبر سے اجتناب اور حسن ظن کے حوالے سے بھی ہمارے معاشرے میں کافی کمی پائی جاتی ہے، بعض لوگوں کا اخلاق اچھا نہیں ہے۔ کچھ لوگ تکبر میں مبتلا ہیں اور بعض لوگ حسن ظن کے بجائے سوئے ظن کے مرتکب ہیں۔ جدید معاشرے پر جب اخلاق حسنہ، تکبر سے اجتناب اور حسن ظن کی تعلیمات کی عصری معنویت دیکھی جاتی ہے تو اس ضمن میں ہمیں کچھ فرق نظر آتا ہے لہذا اس ضمن میں بہتری کی صورتیں نکال کر اصلاحی اقدامات کرنے پڑیں گے۔

ایفائے عہد

ایفائے عہد کے حوالے سے فی الوقت ہمارے معاشرے میں جو کمی اور کوتاہی پائی جارہی ہے، سب سے پہلے اس کمی اور کوتاہی کو محسوس کرنے اور اس معاملہ کی نزاکت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ دین اسلام نے وعدے کی پاسداری کو دینداری یا دینداری کی علامت قرار دیا ہے کہ لہذا ہمیں اس نقطہ کو مد نظر کر وعدہ کو پورا کرنا چاہیے یعنی اگر ہم دیگر فرائض، واجبات کو تو پورا کر رہے ہیں لیکن وعدے کو اگر پورا نہیں کر رہے ہیں تو ہم حقیقی طور پر دیندار نہیں ہیں۔ حقیقی دیندار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے وعدے کو پورا کرے۔

مفتی محمد رضوان صاحب، ایفائے عہد کے ضمن میں اصلاحی تدبیر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

" ایفائے عہد کے ضمن میں جو کوتاہی برتی جارہی ہے اس میں اصلاح کی صورت یہ ہے کہ انسان یہ ذہن میں رکھے کہ وعدہ پورا کرنا، انبیاءؑ، متقین اور صالحین کی علامت ہے لہذا جو شخص وعدہ کو پورا کرتا ہے وہ ان اعلیٰ اور نیک صفات کے حاملین کی مشابہت اختیار کرتا ہے۔ ایفائے عہد، عظیم اور بااخلاق لوگوں کا شیوہ ہے۔ وعدہ خلافی کرنا تو منافقین کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصف ہے۔ منافقین علامات میں سے ایک بڑی علامت یہ ہے کہ جب بھی وہ وعدہ کرتا ہے تو وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے یعنی وعدہ کو توڑ دیتا ہے اور منافق کے نزدیک وعدہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔" [1]

گویا کہ آج ہمارے معاشرے میں ایفائے عہد کے حوالے سے جو کمی و کوتاہی پائی جاتی ہے تو اس ضمن میں یہ اصلاحی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ اگر آج ہم کسی سے وعدہ کرکے پورا نہیں کرینگے تو مکافات عمل کے تحت اس چیز کا امکان ہے کہ کل کوئی ہم بھی سے وعدہ کرکے پورا نہیں کریگا، تو اس موقع پر ہمیں جو دکھ، پریشانی، دقت ،اضطراب، ذہنی تناؤ،افسوس اور ناامیدی کی جو کیفیت ہوگی تو یہی کیفیت اس شخص کی بھی ہوگی جس سے ہم وعدہ کرکے وعدہ خلافی کررہے ہوتے ہیں۔لہذا ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ہم وعدہ خلافی کرکے کسی کو دکھ اور پریشانی میں مبتلا کررہے ہیں تو کل کوئی اور بھی ہمیں جب اسی طرح وعدہ خلافی کرکے دکھ اور پریشانی میں مبتلا کریگا تو اسوقت ہماری کیا کیفیت ہوگی۔

اس کیفیت کو قبل از وقت ہم سوچ کر وعدہ خلافی کے گناہ سے بچ سکتے ہیں اور اپنی اصلاح کرسکتے ہیں۔جب بھی ہم کسی سے وعدہ کریں تو ہمیں چاہیے کہ ہم سوچ سمجھ کر وعدہ کریں،ہمیں اسی بات یا کام کا وعدہ کرنا چاہیے جو ہم پورا کرسکتے ہیں اور جو کام ہم نہیں کرسکتے ہیں تو ہمیں اس کا وعدہ نہیں کرنا چاہیے۔اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی کام ہم تین ماہ میں باسہولت کرسکتے ہیں تو ہمیں وعدہ کرتے وقت چار سے پانچ ماہ کا ذکر کرنا چاہیے تاکہ نہ تو ہمارے قول و قرار میں فرق آئے اور نہ ہی ہمارا وعدہ ٹوٹے۔

اگر ہم کسی مزدور سے کسی کام کے لئے جو اجرت طے کریں تو ہمیں چاہیے کہ ہم وہ طے شدہ اجرت طے شدہ وقت پر ادا کریں بعض لوگ اس ضمن میں کوتاہی برتتے ہیں اس کوتاہی کا علاج یہ ہے کہ ہم اجرت طے کرتے وقت اتنی اجرت طے کریں جو ہم باسہولت ادا کرسکتے ہوں اور جتنی اجرت ہم طے کریں تو اتنی رقم ہمارے پاس موجود بھی ہونی چاہیے اور اجرت کی ادائیگی کے لئے وقت طے کرتے وقت بھی ہم اس بات کا بغور جائزہ لے لیں کہ جو وقت ہم طے کررہے ہیں کیا ہم باسہولت اتنے وقت میں اجرت ادا کرسکتے ہیں یا نہیں،لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اجرت کی ادائیگی کے لئے وہی وقت طے کریں جس وقت میں ہم آسانی سے اجرت ادا کرسکتے ہوں۔اسی مسئلہ کا دوسرا علاج یہ ہے کہ ہم یہ سوچیں کہ اگر آج ہم کسی کی اجرت روکیں گے تو کل کوئی اور جب ہماری اجرت روکے گا تو پھر ہمیں کیسا لگے گا۔مندجہ بالا اصلاحی صورتوں پر عمل کرکے ہم ان مسائل سے بچ سکتے ہیں۔

[1] رضوان، مفتی محمد، حسن معاشرت اور آداب زندگی(راولپنڈی، ادارہ غفران،2017ء) 168-169

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صبر

دین اسلام میں صبر کی بے حد اہمیت ہے۔ یہ دنیا دار الامتحان ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی لازماً آزمائش فرماتے ہیں ہر دو افراد کی آزمائش کی نوعیتوں میں فرق ہو سکتا ہے لیکن یہ کہ ہر شخص کی آزمائش ضرور ہونی ہے۔ حتی کہ مال کا ہونا بھی آزمائش ہے اور مال کا نہ ہونا یہ کم ہونا بھی آزمائش ہے۔ جنت کی نعمتیں بھی صبر کی بنیاد پر ہی مسلمانوں کو عطا ہو نگی۔ مگر چونکہ انسان کے مزاج میں عجلت ہے اور اسی عجلت کی بنا پر جدید دور کا انسان صبر سے دور ہوتا چلا جارہا ہے۔ انفرادی زندگی و اجتماعی زندگی دونوں گوشوں میں صبر کا فقدان نظر آرہا ہے۔ اگر ہم صبر کی تعلیمات کی عصری معنویت دیکھیں تو ہمیں اس ضمن میں کافی فرق نظر آتا ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اصلاحی اقدامات کر کے ان فرق کو پورا کیا جائے تا کہ معاشرے کے افراد شریعت اسلامیہ کے مطابق صبر کی تعلیمات پر عمل کر کے ایک مثالی معاشرہ بن سکیں۔

مولانا یوسف اصلاحی صاحب، صبر کے ضمن میں اصلاحی تدبیر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"غصہ کو پی جانا اور تکلیف پر صبر اور برداشت سے کام لینا، اپنے فریق کو معاف کرنا یہ بڑے عزم اور حوصلہ کی بات ہے ۔جو شخص مصائب اور تکالیف پر صبر وضبط سے کام لیتا ہے ایسا شخص بڑے عزم و حوصلہ والا ہے۔ لہٰذا صبر کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان غصہ کو پی جائے اسی سے انسان کے اندر صبر پیدا ہو گا۔ جسطرح دوسرے انسان صبر کر رہے ہیں اسی طرح ہمیں چاہیے کہ ہم بھی ان کے اس اچھے طرز عمل کو اختیار کریں اس سے ہمارے اندر بھی صبر پیدا ہو گا۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے انہیں جن تکالیف سے دوچار کیا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے پھر حضرت یوسفؑ کے اور ان کے والد کے صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تخت شاہی پر بٹھایا۔ جو صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتے ہیں۔ اپنے ذہن میں یہ مستحضر رکھنا کہ میرے صبر کرنے کو اللہ ضائع نہیں فرمائے گا تو اس طرح انسان کے لئے صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔"[1]

گویا کہ انفرادی و اجتماعی زندگی، دونوں گوشوں میں ہمیں صبر کا دامن تھام کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ آج ہمارے معاشرے سے صبر کا فقدان ہوتا نظر آرہا ہے۔ گھر، بازار، آفس اور پارلیمنٹ میں بے صبری کے واقعات رونما ہوتے نظر آتے ہیں۔ نجی اور غیر نجی زندگی میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے صبری کا مظاہرہ ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ وفات کے موقع پر چیخنے اور چلّانے کا معاملہ کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اصلاح کی صورتیں

[1] اصلاحی، مولانا یوسف، آداب زندگی (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 1987ء) 76-75

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ ہیں کہ انسان اس بات کو مستحضر رکھے کہ وفات پانے والا تو اس دنیا سے چلا گیا، اب ہمارے چیخنے، چلّانے اور بین کرنے سے وہ واپس تو نہیں آجائیگا، اسی طرح دیگر معاملات زندگی میں جو مصائب آنے تھے وہ تو آگئے ہماری بے صبری اور واویلا مچانے سے وہ مصائب ختم تو نہیں ہو جائینگے مزید یہ کہ ہمیں یہ بھی مستحضر رکھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے۔

گویا کہ اگر انسان صبر کرے گا تو اسے ایک بہت بڑی ہستی یعنی اللہ رب العالمین کا ساتھ ملے گا، یقیناً اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ لہٰذا اس عظیم سعادت کو اگر انسان یاد رکھے تو اس طرح اس کے لئے بے صبری سے بچنا اور صبر کا دامن تھام کر رکھنا آسان ہو گا۔ دوسرا یہ کہ بے صبری کا مظاہرہ کرنا وقار کی علامت نہیں ہے۔ بے صبری کا مظاہرہ کرنے سے انسان کا وقار کم ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر انسان اس بات کو مدنظر رکھے کہ اگر میں بے صبری کا اظہار کرونگا تو یہ طرز عمل میرے وقار کو گھٹائے گا، اس طرح انسان کے لئے صبر کا دامن تھامنا آسان ہو گا۔ تیسرا یہ کہ اگر انسان آخرت میں صبر پر ملنے والے انعامات کو مستحضر رکھے جیسے کہ، جنتی لوگوں کو ان کے صبر کرنے کی بنیاد پر ریشم کا لباس اور جنت ملے گی تو اس طرح بھی انسان کے لئے صبر پر قائم رہنا آسان ہو جاتا ہے۔

باہمی عداوت سے اجتناب اور محبت کا حصول

اہل ایمان کے درمیان عداوت ایک ایسی مہلک بیماری ہے جو انہیں تباہ و برباد کر کے چھوڑتی ہے۔ اگر مسلمانوں کے درمیان محبت کا فقدان ہو تو وہ دنیا میں دو ارب ہونے کے باوجود بھی سمندر کے جھاگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان جو باہمی عداوتیں اور بغض ہے سب سے پہلے ہمیں اس کے نقصانات اور قباحتوں کا ادراک کرنے کی ضرورت ہے پھر ہمیں باہمی محبت، اخوت اور انسیت کی ضرورت و اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ دین اسلام میں باہمی محبت کی جو تعلیمات ہیں ہم اس کی عصری معنویت پر غور کریں اور اس ضمن میں جو فرق سامنے آئے اس کے لئے عملی لائحہ عمل تیار کریں تاکہ معاشرہ باہمی عداوت سے اجتناب کر کے باہمی محبت پر گامزن ہو جائے۔

امجد علی اعظمی صاحب، باہمی عداوت کے علاج کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

"باہمی عداوت کو ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تمام اہل ایمان اپنے آپ کو ایک جسم کی مانند سمجھیں۔ جس طرح جسم کے ایک حصہ (آنکھ یا سر) میں تکلیف محسوس ہوتی ہے تو اس تکلیف اور درد کی وجہ سے پورا جسم تکلیف محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی ایک مسلمان تکلیف یا پریشانی میں ہو تمام مسلمانوں کو اس کی تکلیف اور پریشانی کو اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تکلیف سمجھنی چاہیے۔ تمام مؤمن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان بھائی کو چاہیے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو دکھ نہ دے، تکلیف نہ پہنچائے، مذاق نہ اڑائے، عداوت وبغض نہ رکھے، بہتان نہ لگائے، غیبت نہ کرے، ایذا نہ پہنچائے، الزام تراشی نہ کرے۔ کیونکہ یہ تمام رذائل اہل ایمان کے مابین اخوت و محبت کو ختم کرکے عداوت پیدا کرتے ہیں۔"[1]

گویا کہ دین اسلام کا منشاء یہ ہے کہ اہل ایمان کے درمیان محبت والفت قائم ہو، کیونکہ عداوت، باہمی محبت کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ آج ہمارے سماج میں عداوت کی بہتات اور محبت کا فقدان نظر آتا ہے۔ اہل ایمان کے مابین باہمی ملاقتوں کے کم ہونے سے بھی محبتوں میں کمی واقع ہورہی ہے۔ بیمار کی عیادت یا تو کی نہیں جاتی یا پھر دنیاوی مقاصد کے لئے کی جاتی ہے۔ غرباء، مساکین اور فاقہ کشوں کی بنیادی مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے مال خرچ نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ یہ سب امور ایسے ہیں جن میں کوتاہی سے اہل ایمان کے درمیان محبت قائم نہیں رہتی۔ لہٰذا اس کمی وکوتاہی کو پورا کرنے کے لئے اصلاحی پہلو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اس ضمن میں پہلی تجویز یہ ہے کہ جیسا کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے تو مخلوق کیساتھ ایسے ہی برتاؤ رکھا جائے جیسے اللہ کے کنبہ کیساتھ برتاؤ رکھا جانا چاہیے تو اس طرح باہمی عداوتیں ختم ہوکر محبتیں جنم لیتی ہیں۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیں۔ جیسا کہ حدیث ہے کہ تَهَادُوا تَحَابُّوا[2] ((تم تحفہ دیا کرو اس سے محبت بڑھے گی))۔ تیسری تجویز یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے مسائل، پریشانیاں، مصائب، غم وآلام، دکھ، تکلیف اور رنج میں ایک دوسرے کے کام آئیں اور ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹیں، اس طرح بھی آپس میں محبتیں پیدا ہوتی ہیں۔

فحش باتوں سے اجتناب

فحاشی ایک ایسا ناسور ہے جو ایک مسلمان کی ایمانی کیفیت کو خراب کردیتا ہے۔ فحاشی تو دراصل حیاء کی ضد ہے اور حیاء تو ایمان کا جزولاینفک ہے گویا فحاشی بالواسطہ ایمان کی ضد ہے۔ فحاشی کے ذرائع پر قابو پانے اور اس کے مکمل خاتمہ سے ایمان محفوظ ہوتا ہے۔ معاشرہ میں جتنا فحاشی کے ذرائع (یوٹیوب، فیس بک، عریاں ویب سائٹس وغیرہ) عام ہونگے تو اسی قدر ایمان کا خطرہ اور اسکی حفاظت بڑھ جائیگی۔ لہٰذا ضرورت اس چیز کی ہے کہ فحاشی کی قباحتوں اور نقصانات کا

---

[1] اعظمی، امجد علی، اسلامی اخلاق وآداب (لاہور، ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، 2002ء) 193-192

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، باب قبول الهدية، (سعودی عرب، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، 1998ء) ح:594

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادراک کیا جائے اور پھر اس کا سدباب کیا جائے۔ اگر ہم حیاء کی تعلیمات کی عصری معنویت پر غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ فحاشی کی شرح اور اسکے اثرات کافی بڑھ چکے ہیں لہٰذا اس ضمن میں ہمیں اصلاح پر مبنی تجاویز پر غور و فکر کر کے ان کا اطلاق کرنے کی ضرورت ہے۔

مخدومہ خیر النساء بہتر صاحبہ، فحاشی سے اجتناب کے ضمن میں اصلاحی تدبیر کے حوالے سے بیان کرتی ہیں کہ:

فحاشی کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام عناصر کو ختم کیا جائے جو فحاشی کا سبب بنتے ہیں۔ فحاشی کے ذرائع دراصل ایمان کی کمزوری اور خرابی کا سبب بنتے ہیں۔ فحاشی کے انسداد کے لئے آلات اور ذرائع فحاشی کو ختم کرنے کیساتھ ساتھ حیاء پر مبنی مثبت اقدامات بھی کرنے کی ضرورت ہے جیسے شرعی پردہ کے نظام کا نفاذ، لڑکیوں کے علیحدہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی کا قیام۔ پھر فحاشی کے ذرائع کو بھی ختم کیا جائے۔ مثلاً زنا کے مقامات کو ختم کیا جائے، فحاشی پر مبنی تحریروں، تصاویر پر پابندی لگائی جائے۔ اس طرح ایک طرف فحاشی کے ذرائع ختم ہونے سے فحاشی کی روک تھام ہوگی، یعنی مزید فحاشی نہیں بڑھے گی اور دوسری طرف پردہ کے نظام کے ذریعہ حیاء کی ترویج ہوگی۔ یوں جب فحاشی کا سدباب ہو چکا ہوگا اور پھر پردہ کا نظام بھی قائم ہو چکا ہوگا اور لڑکیوں کے تعلیمی نظام بھی علیحدہ علیحدہ ہونگے تو پھر ایسی صورت میں واقعتاً حیاء کا عروج بھی ہوگا، ایمانی ترفع بھی ہوگا اور حلاوتِ ایمان بھی نصیب ہوگی۔[1]

گویا کہ فحاشی کے واقعات کی بڑھتی ہوئی تعداد کیوجہ سے اُمت مسلمہ کی ایمانی کمزوری واقع ہو رہی ہے لہٰذا فحاشی کے خاتمہ کے لئے ہمیں اصلاحی پہلو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے فحش ویب سائٹس اور یوٹیوب لنکس پر پابندی لگانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح بلبورڈز، میگزین، اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا سے فحش تصاویر و اشتہارات پر پابندی لگانے کی ضرورت ہے۔ معاشرے میں بالغ لڑکیوں کے لئے شرعی پردہ لازم کرنے کی ضرورت ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کی ایک ساتھ تعلیم کے بجائے، لڑکیوں کے لئے علیحدہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہسپتالوں میں خواتین اور مردوں کے علیحدہ یونٹ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ مذکورہ تمام اقدامات کرنے کے بعد بھی اگر کوئی زنا یا فحاشی کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر اسے لازماً سرِعام اس کے جرم کی سزا دی جائے وہ اسے سماج کے افراد کے سامنے لازماً دی جائے تاکہ اس کا عملِ قبیح باقیوں کے لئے عبرت کا سامان بنے۔

---

[1] بہتر، مخدومہ خیر النساء، حسن معاشرت (لکھنؤ، مکتبہ اسلام، 2012ء) 25

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظلم سے اجتناب

ظلم ضد ہے عدل کی۔ ظلم ایک ایسا قبیح عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔اسلام کا بنیادی وصف عدل ہے۔ اسلام ظلم کے خاتمہ اور اللہ رب العزت کے عادلانہ نظام کے قیام کے لئے آیا ہے۔جب معاشرہ میں ظلم کا دور دورہ ہوتا ہے تو لوگوں کے بنیادی حقوق بھی غصب ہو جاتے ہیں۔لوگ عدل سے محروم ہو جاتے ہیں اور معاشرے میں خوف وہراس کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔لہٰذا ہمیں ظلم کی قباحتوں اور نقصانات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔اگر قرآن و سنت میں مذکور ظلم کی مذمت اور عدل کی تلقین کی عصری معنویت دیکھی جائے تو اس ضمن میں ہمیں اصلاح کے لئے ممکنہ صورتوں پر غور وخوض اور اصلاحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا مودودی صاحب، ظلم سے اجتناب کے ضمن میں اصلاحی تدبیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:
"عدل کے قیام سے بھی ظلم کا خاتمہ ہوتا ہے۔جب کسی معاشرے سے عدل ختم ہو جائے تو اس کے نتیجہ میں ظلم پروان چڑھتا ہے۔جب کسی معاشرے میں عدل کا کامل طور پر نفاذ ہو جاتا ہے تو اس معاشرے میں ظلم کے ہونے کے امکانات بہت ہی کم ہو جاتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں ظلم کی قباحتوں اور خباثتوں کو بیان کیا جائے اور ظلم کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ناانصافیوں کا کھل کر پرچار کیا جائے اور آخرت میں ظالموں کا انجام بیان کیا جائے تا کہ عوام الناس ظلم کی قباحتوں کو جان کر ظلم سے اجتناب کریں۔جہاں معاشرے میں ظلم کی قباحتوں کے پرچار کی ضرورت ہے تو اسی طرح معاشرے میں عدل کی اہمیت، برکات، نتائج کے پرچار کرنے اور انصاف کو فروغ دینے کی بھی اشد ضرورت ہے تا کہ عوام الناس عدل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے ثمرات کیوجہ سے ظلم سے اجتناب کریں اور عدل کو اختیار کریں۔"[1]

گویا کہ ظلم کا خاتمہ اور عدل کا قیام اسلام کے اولین مطالبات میں سے ہے۔رسالت محمدیہ ﷺ کے ظہور سے عوام الناس کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے اور ان تمام فوائد میں جو دو بڑے فوائد تھے وہ ظلم اور شرک سے نجات تھی۔ ظلم کے خاتمہ اور عدل کے قیام کے لئے چند اصلاحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔اوّلاً یہ کہ عادلانہ نظام کو قائم کر کے ظالم کی طاقت کو توڑا جائے۔ظالموں کو ان کے کئے کی پوری سزا دی جائے۔

---

[1] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست فلسفہ نظام کار اور اصول حکمرانی (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 2000ء) 581-580

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظلم کرنے والا خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، قانون کے تحت دونوں کو سزا دی جائے۔ثانیاً جو ظلم کو تقویت پہنچانے والے ہوں ان کو بھی سزا دی جائے۔عادلانہ نظام کو مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے۔ثالثاًاسکول، کالج، یونیورسٹی، اخبارات اور میگزین میں ظلم کی قباحتوں اور خباثتوں کو برملہ بیان کیا جائےاور عدل کی اہمیت کو اجاگر کیاجائے۔رابعًا ظلم کی مذمت اور عدل کی اہمیت پر سیمینار اور ورکشاپس منعقد کروائی جائیں اور جمعہ کے خطبوں میں بھی اس موضوع پر تقاریر کی جائیں تاکہ عوام الناس میں اس مسئلہ کی اہمیت اجاگر ہو سکے۔مندرجہ بالا اصلاحی اقدامات کرنے سے ظلم کاخاتمہ ہو گااور عدل کا نظام قائم ہو گا،ان شاءاللہ۔

اخلاق حسنہ

شریعت اسلامیہ کی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم اخلاق حسنہ ہے۔اخلاق حسنہ دین اسلام کا بنیادی وصف ہے۔جو لوگ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے اخلاق کو بہتر بناتے ہیں تو انکی شخصیت کے اندر نکھار پیدا ہو تاہے۔اگر کسی انسان کی شخصیت میں کچھ اخلاق رذیلہ پیدا ہو جائیں تو ان اخلاق رذیلہ میں سے بعض کو تو نظر انداز کیا جاسکتا ہے مگر بد خلقی ایک ایسا اخلاق رذیلہ ہے جس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ دین اسلام بڑی شدت سے بد خلقی کی مذمت کر تاہے اور اخلاق حسنہ کی پرزور تلقین کر تاہے۔شریعت اسلامیہ میں اخلاق حسنہ کی جو تعلیمات ہیں اگر ہم ان تعلیمات کی عصری معنویت دیکھیں تو اس ضمن میں ہمیں کافی کمی نظر آتی ہے۔اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہمیں اصلاحی اقدامت کرنے کی ضرورت ہے تاکہ سماج میں اخلاق حسنہ پروان چڑھ سکے۔

ابوالحسن علی ندویؒ اخلاق کو بہتر بنانے کے ضمن میں اصلاحی تدبیر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
"اخلاق دین اسلام کی بنیادی تعلیم میں سے ہے۔اس وقت معاشرے میں عوام الناس کے اخلاق کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔اخلاق کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ عوام الناس کے سامنے اخلاقِ حسنہ کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔لوگوں کو اخلاقِ حسنہ کی اہمیت، فوائد، برکات سمجھائے جائیں، تاکہ معاشرے سے بداخلاقی کا خاتمہ ہو۔جب کسی معاشرے سے بداخلاقی ختم ہوتی ہے تو وہاں اعلی اخلاقی اقدار پروان چڑھتی ہیں۔اخلاقیات کے فروغ سے ہی معاشرے سے بداخلاقی کے واقعات کم ہوتے ہیں۔مزید یہ کہ لوگوں کو بداخلاقی کی قباحتیں اور نقصانات بیان کئے جائیں اور بداخلاقی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی خباثتوں کو ظاہر کیا جائے اور آخرت میں بداخلاقی کا انجام بیان کیا جائے تاکہ عوام الناس بداخلاقی کی قباحتوں کو جان کر اس سے اجتناب کریں۔" [1]

[1] ندوی، ابوالحسن علی، اسلامی تہذیب وثقافت (اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، 2005ء) 53-52

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گویا کہ دین اسلام میں اخلاق حسنہ کی بڑی اہمیت ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ دین اسلام میں اخلاق حسنہ جس قدر اہم ہے تو اُمت مسلمہ کے اکثر افراد کا اخلاقی معیار کافی پست ہے۔ بعض اشخاص لوگوں سے اچھے اخلاق سے گفتگو نہیں کرتے ہیں، اُنہیں برا بھلا کہتے ہیں۔ بعض لوگ زمانہ اور وقت کو برا بھلا کہتے ہیں۔ بعض افراد ہر چھوٹے مسئلہ میں دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تمام امور غیر اخلاقی ہیں لہٰذا مسلمانوں کو ان امور میں اخلاقی زاویوں کے تحت بہتری لانے کی ضرورت ہے۔ اخلاق حسنہ کے حوالے سے دین اسلام کا جو مطلوبہ معیار ہے، ہمیں اس معیار تک پہنچنے کی حتّی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔

اخلاق حسنہ کی تعلیمات کی عصری معنویت پر غور کرنے سے ہمیں جو کمی نظر آتی ہے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے چند اصلاحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے اوّلاً یہ کہ بد خلقی کی قباحتوں اور معاشرتی نقصانات کو لوگوں کے سامنے واضح کیا جائے تاکہ لوگ اپنے اخلاق کو بہتر بنائیں۔ ثانیاً یہ کہ اخلاق حسنہ کی اہمیت اور برکات کو عوام الناس کے سامنے واضح کیا جائے تاکہ عوام الناس اخلاق حسنہ کی طرف راغب ہو۔ ثالثاً یہ کہ جمعہ کے خطبات، اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں اخلاق حسنہ کے موضوع پر تقاریر کروائی جائیں تاکہ لوگوں کا اخلاق بہتر ہو اور اخلاق حسنہ کے حوالے سے کو کمی پائی جارہی ہے اس کا ازالہ ہو اور اس میں مزید بہتری لائی جاسکے۔

تکبر سے اجتناب

بنی نوع انسان کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے نہ تو تکبر کی اجازت ہے اور نہ ہی نوع انسانی کو تکبر زیب دیتا ہے۔ انسان اپنی ذہانت، مال اور اقتدار وغیرہ کو اللہ سبحانہ کے عطاء کے بجائے اپنی ذاتی محنت اور قابلیت کا ثمر سمجھتا ہے جو کہ سراسر غلط اور بڑی حماقت کی بات ہے۔ تکبر کرنے والا شخص دراصل ایک بہت بڑے دھوکہ میں ہوتا ہے کہ جو کچھ علم، ذہانت، مال اور اقتدار اُس کے پاس ہے یہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور یہ سب کچھ اسے اس کی قابلیت و ذہانت کے طفیل ملا ہے۔ تکبر ایک ایسا فعل ہے جو اللہ کو بھی ناپسند ہے اور جنت میں داخلہ کے لئے بھی مانع ہے۔ بعض اوقات تکبر کی ذریعہ انسان کے اندر کچھ اور بھی بری صفات پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً: لوگوں کی تذلیل و توہین کرنا، بے جا غصہ کرنا، ظلم وزیادتی کرنا وغیرہ۔ لہٰذا ہمیں تکبر کی قباحتوں اور نقصانات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تکبر کی ضد عاجزی ہے اور دین اسلام کو مطلوب عاجزی ہی ہے۔ اگر عاجزی کی تعلیمات کی عصری معنویت دیکھی جائے تو اس ضمن میں ہمیں اصلاح کے لئے چند صورتوں پر غور وخوض اور اصلاحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبدالستار قاسم صاحب، تکبر کے علاج کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ:
"تکبر کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنے اندر یہ احساس پیدا کرے کہ اس کے اندر جو حقیقی یا مزعومہ خوبیاں اللہ کی دین ہیں۔اگر ایک شخص کو اس بات پر تکبر ہے کہ وہ بہت ذہین یا طاقتور ہے تو اسے ایک ایسے شخص کے پاس بھیجا جائیگا کہ جو اس سے زیادہ ذہین یا طاقتور ہو، اس طرح اس کا اپنے بارے میں جو یقین پیدا ہو گیا تھا وہ متزلزل ہو جائیگا۔پہلے قدم پر یہی تزلزل درکار ہے۔اسی سے فائدہ اٹھا کر اسے یہ باور کروایا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا کوئی ذریعہ عطا نہیں فرمایا جس کی بنیاد پر ہم اپنی کامل فضیلت کا کوئی حتمی فیصلہ کر سکیں۔آگے کا معالجہ ان شاء اللہ ان دو اقدام کے بعد خود بخود ہوتا جائیگا۔بعض لوگوں میں یہ جو مشہور ہے کہ متکبر کا علاج یہ ہے کہ اس کی تحقیر کی جائے تو یہ ہر صورت حال میں کارگر نہیں ہوتا۔اکثر اوقات تحقیر سے تکبر بڑھتا ہے، کم نہیں ہوتا۔" [1]

گویا کہ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ تکبر سے اجتناب کیا جائے اور عاجزی کا دامن تھام کر رکھا جائے۔تکبر سے اجتناب امور ضروریہ میں سے ہے۔تکبر سے اجتناب کے نتیجے میں انسان کو کچھ برکات و فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں ۔تکبر سے اجتناب کے سلسلہ میں چند اصلاحی اقدامات بھی کرنے کی ضرورت ہے۔اوّلاً یہ کہ انسان اپنے آپ کو عاجز ، خاکسار اور خطاکار سمجھے۔دراصل جب انسان اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتا ہے تو تبھی وہ تکبر میں مبتلا ہوتا ہے۔عاجزی و انکساری کا وصف انسان کو تکبر سے بچالیتا ہے۔ثانیًا یہ کہ انسان ہر صلاحیت و قابلیت کو اللہ کی عطاء سمجھے، اس طرز عمل سے بھی انسان تکبر سے بچ جاتا ہے۔ثالثًا یہ کہ ہر روز یا ہر معاملہ پر انسان اپنا محاسبہ کریں کہ کہیں میرے اندر تکبر تو نہیں آرہا۔ذاتی محاسبہ بھی ایک اچھی شے ہے۔ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اخلاق حسنہ اور اخلاق رذیلہ کے جائزہ کے حوالے سے اپنا ذاتی محاسبہ لازمًا کیا کرے۔ذاتی محاسبہ سے بھی انسان کے اندر سے تکبر نکلنے کے قوی امکانات ہوتے ہیں۔رابعًا یہ کہ اس موضوع پر جمعہ کے خطبات ، اسکول ،کالج اور یونیورسٹیز میں تقاریر کروائی جائیں ۔ مندرجہ بالا اصلاحی ان اقدامات کے ذریعہ سے تکبر کے خاتمہ کی امید کی جاسکتی ہے۔

حسن ظن

حسن ظن بھی دین اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔شریعت اسلامیہ نے حسن ظن کو پسند کیا ہے اور سوئے ظن کی مذمت و ممانعت بیان فرمائی ہے۔حسن ظن کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان محبت و اخوت قائم رہتی ہے اور سوئے ظن کے ذریعہ سے نفرت و کدورت پروان چڑھتی ہے۔سوئے ظن ایک ایسا عمل ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو

[1] قاسم، عبدالستار، اسلامی معاشرت (لاہور، مکتبہ دارالحدیث، بدون سنۃ النشر) 132-131

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناپسند ہے۔ جس معاشرہ میں سوئے ظن کی کثرت ہوتی ہے تو اس معاشرہ میں اتفاق و اتحاد اور محبت قائم نہیں رہ سکتی ۔ حسن ظن کے ذریعہ سے معاشرہ میں الفت کیساتھ ساتھ راحت و سکون بھی پیدا ہوتا ہے۔ لہذا ہمیں سوئے ظن کی قباحتوں اور نقصانات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب حسن ظن کی تعلیمات کی عصری معنویت پر غور کیا جائے تو یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ اس ضمن میں جو کمی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے ہمیں چند اصلاحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

ویب سائٹ منہاج بکس کے ایک آرٹیکل میں سوئے ظن کے علاج کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:
"بدگمانی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیں چاہیے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی خوبیوں پر نظر رکھیں جب کوئی شخص دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھتا ہے تو اس طرح وہ بدگمانی کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی اصلاح کی فکر میں رہے اور اسکے لئے مسلسل کوشش کریں کیونکہ جس شخص کو ساری فکر اپنی اصلاح کی ہو تو اس کے پاس دوسروں کی عیب جوئی کے لئے وقت ہی نہیں ہوتا اور اسطرح وہ بدگمانی کے گناہ سے بچ جاتا ہے۔ بدگمانی سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان ایسے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرے جو بدگمانی کرتے ہو کیونکہ جو شخص کثرت سے ان لوگوں کیساتھ بیٹھتا ہو جو بدگمانی کرتا ہو تو اس شخص کے اندر بھی بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے لہذا بدگمانی کرنے والوں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔"[1]

گویا کہ مسلم معاشرہ کے لئے حسن ظن کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ حسن ظن کے ذریعہ سے مسلم معاشرہ کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ معاشرہ کے افراد کے مابین الفت و محبت برقرار رہتی ہے اور سوئے ظن کے ذریعہ سے رنجشیں اور دوریاں پیدا ہوتی ہیں۔ سوئے ظن کے خاتمہ اور عدل کے قیام کے لئے چند اصلاحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اوّلاً یہ ہے کہ سوئے ظن کی قباحتوں، نقصانات اور آخرت میں اسکے انجام کو برملہ ظاہر کیا جائے تاکہ لوگ سوئے ظن سے بچ سکیں۔ ثانیًا یہ کہ حسن ظن کے فوائد اور برکات کا پرچار کیا جائے۔ تاکہ لوگوں کو حسن ظن اختیار کرنے میں تقویت مل سکے۔ ثالثًا یہ کہ جمعہ کے خطابات، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس موضوع پر تقاریر منعقد کروائی جائیں۔ رابعًا یہ کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ سوئے ظن کا ارتکاب کر کے اپنی نیکیاں اور وقت ضائع نہ کریں اور اسی وقت کو وہ تلاوتِ قرآن، نوافل اور مسنون اذکار کے پڑھنے میں لگائیں۔ مندرجہ بالا اصلاحی اقدامات کے ذریعہ سے سوئے ظن کا خاتمہ اور حسن ظن کا اہتمام کرنا ممکن العمل نظر آتا ہے۔

---

[1] https://www.minhajbooks.com/urdu/book/Charter-of-Guidance-for-the-Muslim-Umma-Derived-from-the-Qur-an-and-Hadith-vol-I/read/txt/btid/1169/

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تجزیہ و تلخیص

سماجی آداب کی عصری معنویت پر غور کرنے سے ہمیں اس ضمن میں کچھ کمیاں نظر آتی ہیں۔معاشرہ کو صالح اور مستحکم بنانے کے لئے ان کمیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایفائے عہد کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں جو کمی پائی جاتی ہے تو اس ضمن میں یہ اصلاحی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ جب ہم کسی سے وعدہ کریں تو ہم لازمًا اپنے وعدے کو پورا کریں ورنہ مکافات عمل کے تحت اس چیز کا امکان ہے کہ کل کوئی ہم بھی سے وعدہ کرکے پورا نہیں کریگا۔

صبر کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں جو کمی پائی جاتی ہے تو اس ضمن میں یہ اصلاحی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ انسان اس بات کو مستحضر رکھے کہ اللہ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے۔ گویا کہ اگر انسان صبر کرے گا تو اسے ایک بہت بڑی ہستی یعنی اللہ رب العالمین کا ساتھ ملے گا، یقینا اس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟لہذا اس عظیم سعادت کو اگر انسان یادرکھے تو اس طرح اس کے لئے بے صبری سے بچنا اور صبر کا دامن تھام کر رکھنا آسان ہو گا۔

باہمی محبت کو قائم رکھنے کے ضمن میں تجویز یہ ہے کہ لوگوں کیساتھ محبانہ اور دوستانہ برتاؤ رکھا جائے تو اس طرح باہمی عداوتیں ختم ہوکر محبتیں جنم لیتی ہیں۔مزید یہ کہ اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیں۔اسے سے بھی محبتیں قائم ہوتی ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے کام آنے سے بھی آپس میں محبتیں پیدا ہوتی ہیں۔

فحاشی کو ختم کرنے کے ضمن میں سب سے پہلے فحش ویب سائٹس ،یوٹیوب لنکس ،بلبورڈز ،میگزین، اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا سے فحش تصاویر و اشتہارات پر پابندی لگانے کی ضرورت ہے اور معاشرے میں بالغ لڑکیوں کے لئے شرعی پردہ لازم کرنے کی ضرورت ہے۔لڑکے اور لڑکیوں کے لئے علیحدہ اسکول،کالج اور یونیورسٹی قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ان اقدامات کے ذریعہ سے فحاشی کے ختم ہونے کے امکانات ہوسکتے ہیں۔

ظلم کے خاتمہ کے صورت میں اوّلًا یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ عادلانہ نظام کو قائم کرکے ظالم کی طاقت کو توڑا جائے ۔ظالموں کو ان کے کئے کی پوری سزادی جائے۔ ظلم کرنے والا خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، قانون کے تحت دونوں کو سزادی جائے۔ ثانیًا جو ظلم کو تقویت پہنچانے والے ہوں ان کو بھی سزادی جائے۔ ان اقدامات کے ذریعہ سے ظلم کے خاتمہ کی امید کی جاسکتی ہے۔

اخلاق حسنہ کی تعلیمات کی عصری معنویت دیکھنے سے ہمیں جو کمی نظر آتی ہے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے چند اصلاحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے اوّلًا یہ کہ بدخلقی کی قباحتوں اور معاشرتی نقصانات کو لوگوں کے سامنے واضح کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے تا کہ لوگ اپنے اخلاق کو بہتر بنائیں۔ثانیاًیہ کہ اخلاق حسنہ کی اہمیت اور برکات کو عوام الناس کے سامنے واضح کیا جائے تا کہ عوام الناس اخلاق حسنہ کی طرف راغب ہو۔

تکبر کے خاتمہ کے صورت میں اوّلاً یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ انسان اپنے آپ کو عاجز،خاکسار اور خطاکار سمجھے۔ دراصل جب انسان اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتا ہے تو تبھی وہ تکبر میں مبتلا ہوتا ہے۔ثانیاً یہ کہ انسان ہر صلاحیت و قابلیت کو اللہ کی عطاء سمجھے،اس طرز عمل سے بھی انسان تکبر سے بچ جاتا ہے۔ثالثاً یہ کہ ہر روز یا ہر معاملہ پر انسان اپنا محاسبہ کریں کہ کہیں میرے اندر تکبر تو نہیں آرہا۔ان اقدامات کے ذریعہ سے تکبر کے خاتمہ کی امید کی جاسکتی ہے۔

سوئے ظن کے خاتمہ اور حسن ظن کے معاشرہ پر اطلاق کے لئے چند اصلاحی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اوّلاً یہ ہے کہ سوئے ظن کی قباحتوں ،نقصانات اور آخرت میں اسکے انجام کو برملہ ظاہر کیا جائے تا کہ لوگ سوئے ظن سے بچ سکیں۔ثانیاًیہ کہ حسن ظن کے فوائد اور برکات کا پرچار کیا جائے۔تا کہ لوگوں کو حسن ظن اختیار کرنے میں تقویت مل سکے۔ثالثاً یہ کہ جمعہ کے خطابات،اسکولوں،کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس موضوع پر تقاریر منعقد کروائی جائیں۔مندرجہ بالا اصلاحی اقدامات کے ذریعہ سے سوئے ظن کا خاتمہ اور حسن ظن کا اہتمام کرنا ممکن العمل نظر آتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاصہ بحث

بنیادی طور پر حدیث کی دو اقسام ہیں ایک حدیث رسول اور دوسری حدیث قدسی۔ حدیث رسول میں الفاظ اور بات دونوں ہی نبی اکرم ﷺ کے ہوتے ہیں جبکہ حدیث قدسی میں الفاظ تو نبی اکرم ﷺ کے ہوتے ہیں مگر بات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہوتی ہے۔ اصول حدیث کی کتب میں حدیث قدسی کے لئے چار اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں؛ ۱) الحدیث الالٰھی ۲) الحدیث الربانی ۳) الاحادیث الالٰھیہ ۴) الحدیث القدسی۔ موجودہ ذخائر کتب میں الحدیث القدسی کی اصطلاح کو سب سے پہلے متکلمین (محمد بن ابو اسحاق الکلاباذی، 380 ہجری) نے استعمال کیا اور اس کے بعد محدثین (تقی الدین ابو الفتح محمد القشیری، 702 ہجری) نے استعمال کیا۔

احادیث قدسیہ کی کل تعداد کے بارے میں کسی بھی مؤلف و محقق نے کوئی حتمی و یقینی تعداد بیان نہیں کی۔ البتہ محمد خلیل الرحمٰن برہان پوری صاحب نے اپنی کتاب "احادیث قدسیہ" میں 1268 حدیث قدسی جمع کی ہیں اور موجودہ ذخائر کتب میں یہی سب سے زیادہ تعداد ہے۔ لیکن محمد خلیل الرحمٰن برہان پوری صاحب نے جمع کردہ احادیث پر صحیح، ضعیف اور موضوع کا کوئی حکم نہیں لگایا ہے اور احادیث کی تشریح بھی بیان نہیں کی ہے۔ شیخ زکریا عمیراتؒ نے اپنی کتاب "الأحادیث القدسیۃ الصحیحۃ" میں 663 مستند احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔ عصام الدین الصبابطیؒ نے اپنی کتاب "جامع الأحادیث القدسیۃ" میں 1150 حدیث قدسی جمع کی ہیں اور آپؒ نے اپنی کتاب میں جمع کردہ احادیث پر صحیح، حسن، حسن لغیرہ، ضعیف اور موضوع کا حکم بھی لگایا ہے اور آپؒ نے احادیث کا ترجمہ اور سیر حاصل شرح بھی بیان کی ہے۔ آپؒ کی کتاب میں کل مستند روایات کی تعداد 553 ہے، ضعیف روایات کی تعداد 481 ہے، موضوع روایات کی تعداد 53 ہے۔

احادیث قدسیہ میں ضعیف اور مضوع روایات بھی پائی جاتی ہیں۔ موضوع احادیث قدسیہ میں "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا"، "اے داؤدؑ! زمین میں میرا ایک گھر تعمیر کرو" شامل ہیں۔ ضعیف احادیث قدسیہ میں "جس شخص توحید کے ذریعہ انعام کیا گیا اسکی جزا جنت کے سوا اور کیا ہوگی"، "جو میرے قلعہ میں داخل ہو گیا تو وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا"، "اللہ تعالیٰ عرش کے سامنے نور کے ایک ستون ہیں"۔ مستند احادیث قدسیہ میں "اہل جنت میں سے ایک شخص اپنے رب سے کاشتکاری کی اجازت طلب کرے گا"، "میں آخری دوزخی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا"، "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے"۔

احادیث قدسیہ میں ایفائے عہد، اخلاق حسنہ، باہمی ملاقات، صبر، دشمنی کرنے پر وعید، حسن ظن، نرمی، باہمی محبت، غرباء اور مساکین پر مال خرچ کرنا، ظلم سے اجتناب، دست سوال دراز کرنے اجتناب، عیادت مریض، فاقہ کش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو کھانا کھلانا، پیاسوں کا پانی پلانا، کسی کی وفات پر اطمینان اور حوصلہ افزا کلمات کہنے کی تعلیم، نرمی کا بیان، تکبر سے اجتناب جیسے سماجی آداب بیان کئے گئے ہیں۔

ایفائے عہد دین کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ جب ایک شخص کسی دوسرے شخص سے وعدہ کرتا ہے تو جس شخص سے وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ اس کام پرُپر امید ہو جاتا ہے جس کام کے لئے وعدہ کیا گیا ہوتا ہے۔ لیکن جب وعدہ کرنے والا شخص وعدہ توڑ دیتا ہے تو جس سے وعدہ کیا گیا ہوتا ہے تو وعدہ خلافی کے ذریعہ اس کا مالی نقصان بھی ہوتا ہے اور اسکے وقت کا ضیاع بھی ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ اصلاحی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ جب ہم کسی سے وعدہ کریں تو ہم لازماً اپنے وعدے کو پورا کریں ورنہ مکافات عمل کے تحت اس چیز کا امکان ہے کہ کل کوئی ہم بھی سے وعدہ کر کے پورا نہیں کریگا۔

کسی آزمائش پر بے صبری کرنا اور واویلا مچانا، سماجی آداب کے خلاف ہے۔ یہ دنیا کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہے ۔اس دنیا میں آزمائش لازماً آکر رہتی ہے۔ البتہ ہر شخص کی آزمائش کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ہر قسم کی آزمائش میں صبر کا دامن تھام کر رکھے۔ اس ضمن میں یہ اصلاحی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ انسان اس بات کو مستحضر رکھے کہ اللہ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے۔ گویا کہ اگر انسان صبر کرے گا تو اسے ایک بہت بڑی ہستی یعنی اللہ رب العالمین کا ساتھ ملے گا، یقیناً اس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ لہٰذا اس عظیم سعادت کو اگر انسان یاد رکھے تو اس طرح اس کے لئے بے صبری سے بچنا اور صبر کا دامن تھام کر رکھنا آسان ہو گا۔

اہل ایمان کی آپس میں ایک دوسرے کیساتھ محبت و الفت ہونی چاہیے تاکہ اہل ایمان کی قوت مضبوط ہو اور وہ کفار کے اوپر بھاری ہوں اور اہل کفر، اہل ایمان سے خوف محسوس کریں۔ لیکن اگر اہل ایمان کی آپس میں ایک دوسرے سے کسی بھی وجہ سے دشمنی ہو تو ایسی صورت میں مسلمان کمزور ہو جائینگے۔ باہمی محبت کو قائم رکھنے کے ضمن میں تجویز یہ ہے کہ لوگوں کیساتھ محبانہ اور دوستانہ برتاؤ رکھا جائے تو اس طرح باہمی عداوتیں ختم ہو کر محبتیں جنم لیتی ہیں۔ مزید یہ کہ اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیں۔ اسے سے بھی محبتیں قائم ہوتی ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے کام آنے سے بھی آپس میں محبتیں پیدا ہوتی ہیں۔

اہل ایمان کو اللہ تعالٰی کیساتھ بھی حسن ظن رکھنا چاہیے سوئے ظن نہ صرف گناہ ہے بلکہ یہ معاشرتی نااتفاقی کو جنم دیتی ہے۔

اللہ تعالٰی کو عدل پسند ہے اور قرآن و سنت میں عدل کرنے اور ظلم سے اجتناب کرنے کی تلقین ہے۔ ظلم اسلامی معاشرے کی اقدار کو خراب کر دیتا ہے۔ ظلم، جبر اور زیادتی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ ظلم کے ذریعہ سے مظلوم طبقہ پس کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا ہمیں ظلم سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں یہ اصلاحی تدبیر اختیار کی جاسکتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ عادلانہ نظام کو قائم کر کے ظالم کی طاقت کو توڑا جائے۔ظالموں کو ان کے کئے کی پوری سزا دی جائے۔ظلم کرنے والا خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، قانون کے تحت دونوں کو سزا دی جائے۔مزید یہ کہ جو ظلم کو تقویت پہنچانے والے ہوں ان کو بھی سزا دی جائے۔ان اقدامات کے ذریعہ سے ظلم کے خاتمہ کی امید کی جاسکتی ہے۔

بد خلقی، شور و غوغا، گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب بھی ضروری ہے۔بندہ مومن کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ شور و غوغا کر کے دوسرے اہل ایمان کو پریشان کرے اور وہ اپنی زبان سے کسی دوسرے کو گالی دے۔مزید یہ کہ روزے کے علاوہ بھی ہمیں بری باتوں، شور و غوغا، گالی اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب کرنا چاہیے۔اس ضمن میں یہ اصلاحی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ بندہ مسلم خوش خلقی کے فضائل کو مستحضر رکھے تاکہ وہ اپنے اخلاق کو بہتر بنا سکے۔بد خلقی کی قباحتوں اور معاشرتی نقصانات کو لوگوں کے سامنے واضح کیا جائے تاکہ عوام الناس اخلاق حسنہ کی طرف راغب ہو۔

اسلام میں تکبر سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔بڑائی صرف اللہ کو زیب دیتی ہے۔بعض لوگ اپنے علم پر تکبر کرتے ہیں، کچھ اپنی دولت پر تکبر کرتے ہیں، کچھ اپنے اقتدار پر تکبر کرتے ہیں۔انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔لہذا ہمیں ہر قسم کے تکبر سے لازماً اجتناب کرنا چاہیے۔اس ضمن میں یہ اصلاحی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ اوّلاً انسان اپنے آپ کو عاجز، خاکسار اور خطاکار سمجھے۔دراصل جب انسان اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتا ہے تو تبھی وہ تکبر میں مبتلا ہوتا ہے۔ثانیاً یہ کہ انسان ہر صلاحیت و قابلیت کو اللہ کی عطاء سمجھے، اس طرز عمل سے بھی انسان تکبر سے بچ جاتا ہے۔ان اقدامات کے ذریعہ سے تکبر کے خاتمہ کی امید کی جاسکتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نتائج مقالہ

- سب سے زیادہ احادیث قدسیہ "محمد خلیل الرحمٰن برہان پوریؒ" نے اپنی کتاب "احادیث قدسیہ" میں 1268 کی تعداد میں جمع کی ہیں۔

- کل احادیث قدسیہ میں سے اکثر مستند ہیں، اس کے بعد کافی تعداد میں ضعیف روایات ہیں اور پھر قلیل تعداد میں موضوع روایات بھی شامل ہیں۔

- شیخ زکریا عمیراتؒ نے اپنی کتاب "الأحادیث القدسیۃ الصحیحۃ" میں 663 مستند حدیث قدسی جمع کی ہیں۔
عصام الدین الصبابطیؒ نے اپنی کتاب جامع الأحادیث القدسیۃ میں 1150 حدیث قدسی جمع کی ہیں جن میں سے 553 مستند، 481 ضعیف اور 53 موضوع روایات ہیں۔

- کل احادیث قدسیہ میں سے مستند احادیث جن میں سماجی آداب بیان ہوا ہے، ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ مکررات کو حذف کرکے ان (مستند سماجی آداب سے متعلقہ) احادیث کی تعداد کم و بیش 13 ہے۔

- سماجی آداب کی عصری معنویت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث قدسیہ میں جو سماجی آداب بیان ہوئے ہیں، ہمارا موجودہ معاشرہ ان آداب سے کچھ حد تک دور ہے لہذا ہمیں اس کمی کو پورا کرکے عصری معاشرہ کو مذکورہ آداب کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سفارشاتِ مقالہ

- علمائے کرام اور محققین کو چاہیے کہ وہ تمام احادیث کا فرداً فرداً جائزہ لے کر ان میں سے احادیثِ قدسیہ کو الگ کریں تاکہ احادیثِ قدسیہ کی کل تعداد معلوم کی جاسکے۔
- علمائے کرام اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ عوام الناس اور طلباء کو احادیث قدسیہ کی اہمیت سے روشناس کروائیں۔
- علمائے کرام اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ عوام الناس اور طلباء کے سامنے وقتاً فوقتاً سماجی آداب سے متعلق احادیث قدسیہ بیان کریں تاکہ معاشرہ کی اصلاح ہو سکے۔
- حکومت کو چاہیے کہ وہ اسلامیات کے مضمون میں مناسب تعداد میں احادیث قدسیہ کو بھی شامل کرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ	البقرۃ	23	22
2	وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ	البقرۃ	40	73
3	وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ	البقرۃ	250	77
4	الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ	البقرۃ	268	93
5	لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ	البقرۃ	279	98
6	يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا	النساء	42	14
7	أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا	النساء	78	14
8	اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا	النساء	87	15
9	لَّا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا	النساء	148	98

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

	مَنْ ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللَّـهُ سَمِيعًا عَلِيمًا			
10	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ	المائدۃ	1	73
11	وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ	الانعام	68	15
12	وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ -----	الانعام	151	93
13	وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ	الانعام	152	73
14	فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا -----	الاعراف	13	106
15	وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	الاعراف	28	93
16	سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ------	الاعراف	146	107
17	أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	یونس	62	83
18	وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ	یوسف	24	94
19	فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ	النحل	29	107
20	وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ -----	النحل	90	94

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

73	91	النحل	وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ -------	21
94	32	الاسراء	وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا	22
48, 73	34	الاسراء	وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــٔـوْلًا	23
87	12	النور	لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ	24
94	21	النور	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ------	25
94	45	العنكبوت	اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ------	26
107	18	لقمان	وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ	27
107	60	الزمر	اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ	28
87	12	الحجرات	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ------	29
78	22-23	الحديد	مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ -----	30
78	11	التغابن	مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ	31
102	4	القلم	وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ	32

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
1	فَإِنَّ خَيرَ الْحَدِيث كِتَابُ اللَّهِ وَخَيرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا	صحیح مسلم	16
2	إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا، أَوْ سَرِيَّةً دَعَاهُ فَأَوْصَاهُ	صحیح مسلم	16
3	أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ	صحیح بخاری	33
4	رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا، فَيَقُولُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلْ الْجَنَّةَ	صحیح مسلم	33
5	مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ القُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ	ترمذی	34
6	مَا جَزَاءُ مَنْ أَنْعَمْتُ عَلَيْهِ بِالتَّوْحِيدِ إِلَّا الْجَنَّةُ	بیہقی	35
7	لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِی، فَمَنْ دَخَلَه اَمِنَ عَذَابِی	ابن عساکر	37
8	إنَّ للّه تَبَارَكَ وَتَعَالَى عمودا من نور بين يدي العرش فإذا قال العبد لا إله إلاَّ الله أهتز ذلك العمود	مسند بزار	38
9	ثَلاَثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا	صحیح بخاری	47
10	إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي بِحَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ	صحیح بخاری	49
12	مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ	صحیح بخاری	51
13	يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ	صحیح بخاری	53
14	أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي	صحیح بخاری	54
15	وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ	صحیح بخاری	55
16	أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي، الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي	صحیح مسلم	58

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

17	أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ، وَقَالَ: يَدُ اللَّهِ مَلْأَى	صحیح بخاری	59
18	يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي	صحیح مسلم	61
19	يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُودُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ	صحیح مسلم	63
20	إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللَّهُ لِمَلَائِكَتِهِ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ نَعَمْ	ترمذی	65
21	لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقًا أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ، وَقُلُوبُهُمْ أَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ	ترمذی	67
22	الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي، وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي	ابوداؤد	68
23	لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ	بیہقی	77
24	تَعَالَيَا إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ قَالَا سُبْحَانَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ	صحیح بخاری	90
25	مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ	صحیح بخاری	103
26	اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ شَكُوْرًا وَّ اجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا وَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّ فِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا	مسند بزار	110
27	تَهَادُوا تَحَابُّوا	صحیح بخاری	134

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصادر و مراجع

القرآن الحکیم

کتب تفاسیر:

جصاص، أحمد بن علي أبو بكر الرازي الحنفي، أحكام القرآن (بيروت، دار إحياء التراث العربي، 1405ھ)

المحلی والسیوطی، جلال الدین محمد بن أحمد و جلال الدین عبد الرحمن بن أبي بكر، تفسير الجلالين (القاهرة، دار الحديث، 1395ھ)

ابن کثیر، أبو الفداء إسماعيل بن عمر، تفسير القرآن العظيم (مصر، دار طيبة، 1420ھ)

الحقی، إسماعيل حقي بن مصطفى، روح البيان (بيروت، دار الفكر، بدون سنة النشر)

اثری، علامہ عبد الکریم، تفسیر عروۃ الوثقی (لاہور، دار السلام، بدون سنة النشر)

سعیدی، مولانا غلام رسول، تبیان القرآن (لاہور، رومی پبلیکیشنز، 2005ء)

دھلوی، مولانا احمد سعید، تفسیر کشف الرحمٰن (کراچی، مکتبہ رشیدیہ، 2009ء)

مفتی شفیع، عثمانی، معارف القرآن (کراچی، مکتبہ معارف القرآن، 2008ء)

کیلانی، مولانا عبد الرحمن، تیسیر القرآن (لاہور، مکتبہ السلام، 1432ھ)

قطب، سید شہید، تفسیر فی ظلال القرآن (لاہور، ادارہ منشورات اسلامی، 1997ء)

مودودی، سید ابو الاعلی مودودی، تفہیم القرآن (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، 2012)

دریا آبادیؒ، مولانا عبد الماجد، تفسیر ماجدی (لاہور، پاک کمپنی، بدون سنة النشر)

بھٹویؒ، مولانا عبد السلام، تفسیر القرآن الکریم (لاہور، دار الاندلس، بدون سنة النشر)

پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری (کراچی، دار الاشاعت، 1999ء)

کتب احادیث:

البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری (بیروت، دار طوق النجاۃ، 1422ھ)

البخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد (سعودی عرب، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، 1998ء)

القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم (بیروت، المكتبة العلميه، 1994ء)

ترمذی، محمد بن عیسی، السنن (بیروت، دار الغرب الإسلامي، 1998ء)

ابو داؤد، سليمان بن الأشعث السجستاني، سنن أبي داود (بیروت، المكتبة العصرية، بدون سنة النشر)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البیہقی، أحمد بن الحسین الخراسانی، شعب الایمان (سعودیہ، مکتبۃ الرشد، 2003ء)
ابن عساکر، أبوالقاسم علي بن الحسن، المعجم (دمشق، دار البشائر، 2000ء)
البزار، أبو بکر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق، مسند البزار (سعودیہ، مکتبۃ العلوم والحکم، 2009ء)
ابن دقیق العید، تقي الدین أبو الفتح، شرح الأربعین النبویہ في الأحادیث الصحیحۃ النبویہ (افریقا، مؤسسۃ الریان، 1424ھ)

شروحات حدیث:

القطلانی، أحمد بن محمد بن أبي بکر، ارشاد الساري لشرح صحیح البخاري (مصر، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، 1323ھ)
ابن بطال، أبو الحسن علي بن خلف، شرح صحیح البخاری (السعودیۃ، مکتبۃ الرشد الریاض، 2003ء)
الجوزی، جمال الدین بن علي، کشف المشکل من حدیث الصحیحین، باب من مسند ابی ہریرہ دوسیؓ (ریاض، دار الوطن، 1997ء)
قاسم، حمزۃ محمد قاسم، منار القاري شرح صحیح البخاري (دمشق، مکتبۃ دار البیان، 1990ء)
عینی، أبو محمد محمود بن أحمد بدر الدین، عمدۃ القاري شرح صحیح البخاري (بیروت، دار إحیاء التراث العربي، 1403ھ)
النووي، محیي الدین یحیی بن شرف، المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج (بیروت، دار إحیاء التراث العربي، 1392ء)
السیوطي، عبد الرحمن بن أبي بکر، جلال الدین، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج (السعودیۃ، دار ابن عفان، 1996ء)
ملّا علی قاری، أبو الحسن نور الدین الهروي، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (بیروت، دار الفکر، 2002ء)
الشوکاني، محمد بن علي، نیل الاوطار شرح المنتقی من أخبار المصطفی ﷺ (مصر، دار الحدیث، 1993ء)
ابن حجر، أحمد بن علي العسقلاني الشافعي، فتح الباري شرح صحیح البخاري (بیروت، دار المعرفۃ، 1379ھ)
کشمیری، انور شاہ، العرف الشذي شرح سنن الترمذي، (لبنان، دار إحیاء التراث العربي، 2004ء)
مفتی تقی، عثمانی، انعام الباری (کراچی، مکتبۃ الحراء، بدون سنۃ النشر)
سلیم، مولانا سلیم اللہ خان، کشف الباری عمّا فی صحیح البخاری، کتاب المرضٰی (کراچی، مکتبہ فاروقیہ، 2011ء)
سعیدیؒ، علامہ غلام رسول، شرح صحیح مسلم (لاہور، فرید بک اسٹال، 2002ء)
اقبال، محمد زکریا، تفہیم المسلم شرح صحیح مسلم (کراچی، دار الاشاعت، بدون سنۃ النشر)
المسترشد، کمال الدین، تشریحاتِ ترمذی (کراچی، قدیمی کتب خانہ، بدون سنۃ النشر)
رضوی، لیاقت علی، شرح ابوداؤد (لاہور، شبیر برادرز، 2016ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتب علوم حدیث:

ابن حجر، أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني، النكت على كتاب ابن الصلاح (المدينة المنورة، عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، 1984ء)

الملا الهروي، علي بن محمد القاري، شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر (لبنان، دار الأرقم، بدون سنة النشر)

القاسمي، محمد جمال الدين بن محمد سعيد، قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث (بيروت، دار الكتب العلمية، بدون سنة النشر)

أبو شُهبة، محمد بن محمد بن سويلم، الوسيط في علوم و مصطلح الحديث (مصر، دار الفكر العربي، بدون سنة النشر)

الحلبي، نور الدين محمد عتر، منهج النقد في علوم الحديث، (دمشق، دار الفكر، 1418ھ)

الخطيب، محمد عجاج بن محمد تميم، السنة قبل التدوين، (بيروت، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع)

قاسمی، مفتی محمد ثمین اشرف، تجلیات قدسیة، (انڈیا، ابراہیم لائبریری بہار، 2016ء)

قادری، مولانا اسید الحق محمد عاصم، احادیث قدسیہ (انڈیا، تاج الفحول اکیڈمی دہلی، 2008ء)

طحان، أبو حفص محمود بن أحمد، تيسير مصطلح الحديث، (سعودیہ، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، 1425ھ)

العثيمين، محمد بن صالح، مصطلح الحديث (القاهرة، مكتبة العلم، 1415ھ)

البكري، محمد علي بن محمد علان بن الشافعي (المتوفى: 1057ھ)، الفتوحات الربانية على الأذكار النواوية (مصر، جمعية النشر والتأليف الأزهرية، بدون سنة النشر)

العدوی، أبو عبد الله مصطفى، الصحيح المسند من الأحاديث القدسية (مصر، دار الصحابہؓ للتراث قاہرہ، 1989ء)

الصبابطی، ابو عبد الرحمن عصام الدين الصبابطی، جامع الأحاديث القدسية (مصر، دار الريان للتراث قاہرہ، 1991ء)

حکیم الترمذی، نوادر الأصول فی احادیث الرسول (بیروت، دار الجیل لبنان، 1992ء)

شیخ زکریا عمیرات، الاحادیث القدسیۃ الصحیحۃ (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 2004ء)

کتب موضوع روایات احادیث:

أبو شُهبة، محمد بن محمد بن سويلم، الإسرائيليات والموضوعات في كتب التفسير (مصر، مكتبة السنة قاہرہ، بدون سنة النشر)

الجوزي، جمال الدين عبد الرحمن بن علي، الموضوعات (سعودیہ، المكتبة السلفية مدینہ منورہ، 1966ء)

السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر جلال الدين، اللآلیء المصنوعة في الأحاديث الموضوعة (بیروت، دار الكتب العلمية، 1996ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتب سیرت:

کاندھلوی، مولانا ادریس، سیرۃ مصطفیٰ ﷺ (کراچی، کتب خانہ مظہری، بدون سنۃ النشر)

مفتی شفیع، عثمانی، سیرۃ رسول اکرم ﷺ (کراچی، ادارہ اسلامیات، 1404ھ)

مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم (لاہور، المکتبۃ السلفیۃ، 2000ء)

حیاۃ الصحابہ (کراچی، دارالاشاعت، 2003ء) 851/2

کتب لغات:

الجوهري، أبو نصر إسماعيل بن حماد الفارابي، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، (بيروت: دار العلم للملايين، 1407ھ)

ابن منظور، محمد بن مكرم الأنصاري الرويفعي الإفريقي، لسان العرب، (بيروت، دار صادر، 1414ھ)

عبد الحميد، أحمد مختار عمر، معجم اللغة العربية المعاصرة، (بيروت، عالم الكتب، 1429ھ)

کتب التعریفات والاصطلاحات:

الجرجاني، علي بن محمد الشريف، كتاب التعريفات (بيروت، دار الكتب العلمية، 1403ھ)

الفاروقي، محمد بن علي، موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، (بيروت، مكتبة لبنان، 1996ء)

متفرق کتب:

ابن تيميه، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم، الاحتجاج بالقدر (بيروت، المكتب الإسلامي، 1404ھ)

الكلاباذي، أبو بكر محمد بن أبي إسحاق، التعرف لمذهب أهل التصوف (بيروت، دار الكتب العلمية، بدون سنة النشر)

غزالی، ابو حامد، بدایۃ الہدایۃ (کراچی، حنفیہ پاک پبلیکیشنز، بدون سنۃ النشر)

غزالی، ابو حامد، احیاء علوم الدین (کراچی، دارالاشاعت، بدون سنۃ النشر)

غزالی، ابو حامد، مکاشفۃ القلوب (لاہور، مکتبہ اسلامیہ، بدون سنۃ النشر)

یوسف، حافظ صلاح الدین، اسلامی آداب معاشرت (لاہور، دارالسلام، 2007ء)

قاسمی، مفتی ابو بکر جابر، مسنون معاشرت (انڈیا، مکتبہ عمر، 2014ء)

علوی، ڈاکٹر خالد، اسلام کا معاشرتی نظام (لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، بدون سنۃ النشر)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مودودی، سید ابو الاعلیٰ، پردہ (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 2005ء)

اصلاحی، محمد یوسف، شعور حیات (لاہور، البدر پبلیکیشنز، 2010ء)

ڈاکٹر اسرار، احمد، اسلام کا اَخلاقی اور روحانی نظام (کراچی، انجمن خدام القرآن سندھ، 2016)

جاوید، احمد، ترک رذائل (اسلام آباد، پورب اکادمی، 2012)

مجلس المدینہ العلمیۃ، دعوت اسلامی، بدگمانی (کراچی، مکتبۃ المدینہ، 1425ھ)

رضوان، مفتی محمد، حسن معاشرت اور آداب زندگی (راولپنڈی، ادارہ غفران، 2017ء)

اصلاحی، مولانا یوسف، آداب زندگی (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 1987ء)

اعظمی، امجد علی، اسلامی اخلاق و آداب (لاہور، ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، 2002ء)

بہتر، مخدومہ خیر النساء، حسن معاشرت (لکھنؤ، مکتبہ اسلام، 2012ء)

مودودی، سید ابو الاعلیٰ، اسلامی ریاست فلسفہ نظام کار اور اصول حکمرانی (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 2000ء)

ندوی، ابوالحسن علی، اسلامی تہذیب و ثقافت (اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، 2005ء)

قاسم، عبد الستار، اسلامی معاشرت (لاہور، مکتبہ دار الحدیث، بدون سنۃ النشر)

انگریزی کتب :

1. Yassin Roushdy, Ethics and Morals of Islam (London, Oxford Press,2001)
2. Mawdudi, Abul A'ala, Islamic way of life (Saudia Arabia, King Shah Fahd publication, 1996)
3. Saleh Al-Uthaymeen, The chapter on the prohibition of arrogance & Self-conceit, Translated by: Abdul Azeem (USA, Maktabatulirshad Publications, 2014)
4. John Rawls, A theory of Justice Revised Edition, (England, Cambridge University Press, 1971)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

ویب سائٹس:

1. https://quranurdu.org/
2. https://mohaddis.com/
3. https://shamela.ws/
4. https://besturdubooks.net/dars-e-nizami/dora-e-hadith-books/dora-e-hadith-urdu-shuroohat/
5. https://fiqhacademy.com.pk/yasalunak/yasalunak-fatawa/11658/ (Accessed on: April. 30, 2022)
6. https://www.minhajbooks.com/urdu/book/Charter-of-Guidance-for-the-Muslim-Umma-Derived-from-the-Qur-an-and-Hadith-vol-I/read/txt/btid/1169/

آرٹیکلز:

1. گوہر، راحیل، اسلام کا فلسفہ اخلاق، ندائے خلافت (شمارہ 26، جولائی 2022ء)
2. عثمانی، مفتی تقی، فحاشی کی روک تھام، محاسن اسلام (شمارہ 84، ستمبر 2006ء)
3. مصباحی، ڈاکٹر جہانگیر حسن، حسن ظن تعمیر انسانیت اور صالح معاشرے کی بنیاد، میثاق (ج 69، شمارہ 2، فروری 2020)